کتاب و سنت اور اسلاف امت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ

اشرف الجرائد
حیدرآباد

Volume:18 Issue:8 August 2025

مدیر
مولانا محمد عبدالقوی

ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد

www.iauth.in

اشرف الجرائد میں شامل تمام مضامین کی تمام جزئیات سے مدیر کا اتفاق ضروری نہیں

آئینۂ مضامین

درسِ قرآن	نیک صحبت حسن عمل وحسنِ اخلاق کی ضامن ہوتی ہے	مولانا شیخ عبدالقادر فرید قاسمی	۵
درسِ حدیث	دین کو تباہ کرنے والے دو عمل	مولانا مفتی محمد احمد علی قاسمی	۷
پیش گفتار	اسلام میں عقیدہ کی اہمیت	مرتب	۹
گوشۂ سیرت	آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شب ہجرت	مولانا سید خواجہ نصیر الدین قاسمی	۱۴
گوشۂ خواتین	اسلام کی باکمال خواتین	مولانا مفتی محمد رفیع حنیف قاسمی	۱۶
اصلاحی مضامین	ہندوستانی فلموں کا کانسپٹ اور "فلم اُدئے پور فائلز"	مولانا مفتی محمد سلمان قاسمی محبوب نگری	۱۹
"	ہمارے عقیدے	مولانا محمد اشتیاق احمد قاسمی	۲۴
گوشۂ آزادی	جنگ آزادی میں علماء کی قربانیاں	حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ	۳۰
"	ہم نے ہی لہو دے کر گلشن کو سنوارا ہے	مولانا محمد مجیب الرحمٰن قاسمی	۴۰
افاداتِ اکابر	اشرف المجالس: حضرت مولانا محمد عبدالقوی صاحب مدظلہ	پیشکش: مولانا مفتی محمد احمد علی قاسمی	۴۳
"	ارشاد السالکین: حضرت مولانا محمد عبدالقوی صاحب مدظلہ	ترتیب: مولانا مفتی محمد احمد علی قاسمی	۴۶
فقہ وفتاویٰ	آپ کے شرعی مسائل	مولانا مفتی محمد ندیم الدین قاسمی	۴۹

اشرف الجرائد کی توسیع واشاعت میں حصہ لے کر اشاعتِ دین کا ثواب حاصل فرمائیں۔ ادارہ



درسِ قرآن

نیک صحبت حسن عمل و حسن اخلاق کی ضامن ہوتی ہے

از: مولانا شیخ عبدالقادر فرید قاسمی*

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۞ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۱۱۹ (التوبہ)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ رہا کرو۔

تشریح: قدرت نے نظام انسانیت ایسے مرتب کیا ہے کہ ہر ایک اپنی زندگی کے مختلف مراحل میں دوسروں کی معاونت کا محتاج ہوتا ہے، مستقل عزلت پسندی اور خلوت گزینی انسان کے بس کی بات نہیں ہے، انسان کے حالات یکساں نہیں ہوتے، کبھی خوشی و غم، سکون و خوف، راحت و تکلیف، ایسے حالات میں اس کے لیے کوئی ایسا ہمدرد و غم خوار ضروری ہوتا ہے جو زخم پر مرہم اور غم کا مداوا کرنے والا اور ہمارے اخلاق و کردار کو سنوارنے والا ہو، وہ کسی کے پاس پہنچ کر اپنا غم غلط کر سکے اور اس کی صحبت سے دین و اخلاق میں ترقی کا سامان پیدا کر سکے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیل بنانے کی آرزو کی تھی ''لو کنت متخذا خلیلا لاتخذت ابابکر خلیلا'' چوں کہ اللہ تعالیٰ نے خود نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا خلیل بنالیا تھا لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ایک وفادار غم گسار جان نثار سچے پکے دوست تھے۔

خلاصہ یہ کہ انسان کو اپنا دل ٹھنڈا کرنے کے لیے اپنے اعمال و اخلاق درست کرنے کے لیے کسی محب صادق سچے دوست کی ضرورت ہوتی ہے، سوال یہ ہے کہ ہم کیسے شخص کو اپنا دوست بنائیں؟ یہی سوال نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی کسی صحابیؓ نے کیا تھا ''ای جلسائنا خیر'' ہمارے سب سے بہتر ہم نشیں کون ہونا چاہیے؟ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہتر ہم نشیں کی تین نشانیاں بتلائی: (۱) جس کے دیدار سے تمہیں اللہ یاد آجائے۔ (۲) جس کی گفتگو سے تمہارے علم میں اضافہ ہو جائے۔ (۳) جس کے کردار سے تمہیں آخرت کی یاد تازہ ہو جائے۔

---

* ذمہ دار مدرسہ ادارہ حسیب المدارس، گھٹکیسر

صحبت اور دوستی جہاں آدمی کی زندگی پر اثر انداز ہوتی ہے وہیں آدمی کے ذوق اور اس کی پسند کی عکاس بھی ہوتی ہے۔

کند جنس با ہم جنس پرواز
کبوتر با کبوتر باز با باز

نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''**المرأ علی دین خلیلہ فلینظر الی من یخالل**'' آدمی اپنے دوست کے طریقے اور دین پر ہوتا ہے، اس کو چاہیے کہ کسی کو اپنا دوست بنانے سے پہلے وہ خوب غور وفکر کر لے، شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''یارِ بد بدتر بود از مار بد'' برے کی صحبت زہریلے سانپ سے زیادہ بدتر ہوتی ہے کیوں کہ سانپ کے ڈسنے سے انسان کی جان جاتی ہے اور برے دوست اور بری صحبت کی تاثیر سے انسان کے نہ صرف اخلاق متاثر ہوتے ہیں بلکہ دین بھی رخصت ہو جاتا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: اچھے دوست تلاش کرو اور ان کی پناہ میں زندگی گزارو کیوں کہ وہ خوشی کی حالت میں زینت اور آزمائش کے وقت راحت کا سامان ہوتے ہیں اور کسی گنہگار کی صحبت اختیار مت کرو ورنہ اس سے گناہ کرنا ہی سیکھو گے۔'' سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو مخاطب کر کے دو باتوں کا حکم دیا ہے،، اللہ سے ڈرو، سچے لوگوں کے ساتھ رہو، قرآن کریم نے لفظ ''**الصادق**'' کے ذریعے اشارہ دے دیا کہ جس کی صحبت میں تم بیٹھتے ہو اس کا ظاہر و باطن یکساں ہو، نیت و ارادے کا بھی سچا ہو، قول وعمل کا بھی سچا ہو۔

آج ہمارے مسلم معاشرے کا نوجوان بری صحبتوں اور غلط دوستیوں کی وجہ سے اخلاقی پستی، اعمال کی کمی، صحت وتندرستی کے فقدان سے دوچار ہے۔ ان کی راتیں مئے خانوں، حقہ پارلروں، چائے اڈوں، سیر سپاٹوں میں گزر رہی ہے حالاں کہ ان نوجوانوں سے ہی ہر دور میں اسلام کی آبیاری اور دفاع کا بڑا کام لیا گیا تھا آج کی صورتِ حال ہر فکر مند درددل رکھنے والے کے لیے ہوش ربا اور قابل تعجب ہے۔

اللہ پاک ھدایت کے بعد ضلالت سے، ایمانی وروحانی ارتقاء کے بعد تنزلی وپستی سے ہماری حفاظت فرمائے اور نیک صحبت اختیار کرنے اپنے اعمال واخلاق کو سنوارنے کی سعادت نصیب فرمائے۔ **اللھم آمین**



درسِ حدیث

دین کو تباہ کرنے والے دو عمل

از: مولانا مفتی محمد احمد علی قاسمی*

عَنِ ابْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ الْأَنْصَارِيِّ عَنْ أَبِيهِ رضی اللہ عنہ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مَا ذِئْبَانِ جَائِعَانِ أُرْسِلَا فِي غَنَمٍ بِأَفْسَدَ لَهَا مِنْ حِرْصِ الْمَرْءِ عَلَى الْمَالِ وَالشَّرَفِ لِدِينِهِ (ترمذی:2376)

ترجمہ:۔حضرت ابن کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دو بھوکے بھیڑیے اگر بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیے جائیں تو وہ اس قدر نقصان اور تباہی نہیں پہنچاتے جتنا کسی شخص کا مال اور جاہ کا حریص ہونا اس کے دین کو نقصان پہنچاتا ہے۔

تشریح:۔کسی بھی انسان کے صحیح انسانیت اور درست شخصیت کی تعمیر وترقی جسم وروح کی آراستگی اور اصلاح سے عبارت ہے، جیسے بعض مہلک امراض وعوارض انسانی جسم کے لیے مضر بسا اوقات تباہ کن ثابت ہوتے ہیں؛ ایسے ہی بعض روحانی امراض دین وایمان کے لیے نہ صرف ضرر رساں بل کہ بسا اوقات حرماں نصیبی کا باعث بن سکتے ہیں، ایسے ہی روحانی امراض میں ''مال'' اور ''جاہ'' کی بے جا محبت ہے، مال کو اللہ تعالیٰ نے حیاتِ دنیا کی زینت قرار دیا ہے، اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا، مال کا حصول انسان کے لیے دنیا کی عارضی راحت وشہرت کا ذریعہ ہے، اس سے حد سے زیادہ محبت وچاہت انسان کو حریص بنا دیتا ہے، اور ایسے فتنے میں مبتلا شخص جائز وناجائز، حلال وحرام کی پرواہ کئے بغیر حرام خوری اور لوگوں کے حقوق تلفی کی وجہ سے اپنے آپ کو ہلاکت بربادی میں گرا دیتا ہے، ایسے ہی ''منصب ومرتبہ'' کی خواہش بھی انسان کو ہر نیچی حرکت اور ذلیل عمل پر آمادہ کر دیتی ہے، کوئی شخص خود اپنی نظر میں اپنا کوئی مقام ومرتبہ طے کر لیتا ہے تو وہ ہر کسی سے اس کے برابر سلوک اور رویے کو دیکھنا چاہتا ہے، پھر کسی وقت اس کی یہ حرص اس کو بزعمِ خود طئے کردہ مقام ومرتبے پر براجمان ہونے کے لئے بے چین وبے قرار کر دیتی ہے، نتیجتاً انسان اپنی حیثیتِ عرفی وشرعی کو نظر انداز کر بیٹھتا ہے، پھر

* استاذ حدیث وفقہ ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد

اپنے حرکت وسکون کردار وعمل اور گفتار وقول ہر اعتبار سے دھوکہ دہی ، خود پسندی ، دروغ گوئی ، الزام تراشی ، بہتان طرازی جیسے بے شمار معصیتوں اور گناہوں کی دلدل میں پھنستا چلا جاتا ہے، جسے دین وایمان کے لحاظ سے تباہی اور بربادی کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے؟

حدیثِ مذکور میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دو بیماریوں کی سنگینی اور خطرناکی کو نہایت عمدہ تعبیر اور مثال سے بیان فرمایا ہے؛ کہ بھیڑیا جو آدم خور اور درندہ صفت جانور ہے، اگر وہ اپنی درندگی اور آدم خوری کے ساتھ ساتھ بھوکا بھی ہو تو اس کی اس صفتِ بہیمیت میں جس قدر بھی اضافہ ہوسکتا ہے اس کو سمجھنا کسی انسان کے لیے کوئی دشوار نہیں ہے، ایسے خطرناک بھیڑیے کو اگر بکریوں کا ریوڑ مل جائے تو وہ وہاں جو تباہی اور بربادی مچاتا ہے اس سے کہیں زیادہ انسان کے دین وایمان کو مال اور مرتبے کی شدید محبت میں مبتلا ہونا نقصان پہنچاتا ہے، اس لئے عہدہ اور منصب کی خواہش اور طلب ہی کو ناپسندیدہ قرار دیا گیا ، اور اگر ایسے طالب کو منصب مل بھی جائے تو حدیث شریف میں نصرتِ خداوندی سے محروم قرار دیا گیا ہے، اس سب کے باوجود آج اگر امت کا عام طبقہ مال ودولت کے فتنہ میں مبتلا ہو کر اپنے دین وایمان کا نقصان کرتا نظر آرہا ہے تو ملتِ اسلامیہ کا خاص طبقہ جاہ ومرتبہ اور عزت وشہرت کی طلب کے فتنہ میں مبتلا دکھائی دے رہا ہے۔

بہر حال ! مال وجاہ کی محبت اور حرص جس کسی بھی شخص کے اندر آئی اس نے دینی اور روحانی اعتبار سے ہلاکتوں اور بربادیوں سے اپنا دامن بچا نہیں سکا، موجودہ حالات کے تناظر میں بدقسمتی سے آج امت جن فتنوں سے دوچار ہے، ان میں مال وجاہ کی محبت سے سرشاری بھی ایک عظیم فتنہ بن چکا ہے، اور اس فتنہ کے برے اثرات کی وجہ سے عوام تو عوام امت کا خواص طبقہ اور دینی تحریکات وجامعات جس شدید اختلافات وانتشار کا شکار ہیں اس تناظر میں حدیث شریف کا مفہوم عیاں راچہ بیاں کا مصداق ہے۔

اللہ پاک ملت اسلامیہ کی ان سنگین فتنہ سامانیوں سے حفاظت فرمائے۔ آمین

اسلام میں عقیدہ کی اہمیت

از: مرتب

احکم الحاکمین رب العالمین نے انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے جو دستور حیات نازل فرمایا ہے اس میں مدارِ نجات اور مدارِ سعادت بندوں کے ایمان و عمل کو قرار دیا ہے، ایمان و عمل میں بھی ایمان کو اصل اور اساس کی حیثیت حاصل ہے جبکہ عمل اس کا اثر و ثمرہ ہوتا ہے، ایمان تخم ہے تو اعمال اس کے برگ و بار ہیں، اعمال کا قبول و رد ایمان کے قبول ورد پر منحصر ہے، اعمال کا صلاح وفساد ایمان کے صلاح وفساد میں مضمر ہے، اعمال کا قوت و ضعف ایمان کے قوت وضعف کا رہینِ منت ہے۔

ایمان: قلب کا کسی یقینی اور شک وشبہ سے پاک ومضبوط بات کو قبول کر لینے کا نام ہے جسے ہم عام فہم اردو میں ''عقیدہ'' کہتے ہیں، اہل اسلام کے لیے عقیدہ کا صحیح ہونا نہایت ضروری ہے، اسلام نے عقیدہ وایمان سے متعلق جس قدر تعلیمات دی ہیں اس سے ایک قدم نہ ہٹا جا سکتا ہے نہ شکوک وشبہات کا باریک بال اس میں آ سکتا ہے، کتاب وسنت سے معلوم ہوتا ہے کہ عقیدے میں ایسی نزاکت ہے کہ اس سے تھوڑا سا بھی انحراف مسلمان کے گلے سے قلادۂ اسلام نکال دیتا ہے، اور اسے کفر وشرک اور ارتداد والحاد کے دہانے پر پہنچا دیتا ہے۔

چنانچہ حق تعالیٰ شانہٗ کی ذات وصفات کی یکتائی اور شان بے مثالی میں کسی کی ذرہ برابر شرکت ماننا اسلام سے نکال کر شرک کی ہلاکت خیز وادی میں گرا دیتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت واجبہ اور آپ کے مقامِ رفیع اور منصبِ ختم نبوت ورسالت میں کسی کی ہمسری یا برتری یا بہتری تسلیم کرنا کفر وارتداد کی گہری کھائی میں گرا دیتا ہے اور کلمۂ شہادت کا منکر بنا دیتا ہے۔

کتاب اللہ اور کلام اللہ کو نجات کے لیے کافی نہ سمجھنا، اس کے محفوظ نزول میں شک وشبہ کرنا اور اس کے

بالمقابل سابقہ آسمانی کتب منسوخہ یا نئی تصانیف مفسدہ کو وسیلۂ نجات اور دستورِ حیات بنانا مسلمان کو دائرہ اسلام سے خارج کردیتا ہے۔

دین اسلام ــــ جسے عند اللہ اعتبار و استناد اور شان قبولیت حاصل ہے ــــ کو چھوڑ کر اقوامِ عالم اور امم سابقہ کے ادیانِ باطلہ اور شرائع منسوخہ کو معتبر اور قابل عمل سمجھنا نیز ’’وحدت دین‘‘ کے بجائے ’’وحدت ادیان‘‘ ــــ جسے آج کل نئے عنوان ’’دینِ ابراھیمی‘‘ کے نام سے پیش کیا جا رہا ہے ــــ کے تصور کو قبول کرنا اور اسے صحیح سمجھنا خود کو وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾ کے زمرے میں شامل کرنا ہے۔

دنیا کے فنا ہونے کے بعد عالمِ آخرت میں حساب و کتاب، جزا و سزا کے بارے میں تردد کرنا، قیامت اور قربِ قیامت پیش آنے والی نشانیوں کو تسلیم نہ کرنا، جنت و دوزخ کو خیالی باتیں سمجھنا، منکرین آخرت کی صف میں لا کھڑا کردیتا ہے۔

کتاب اللہ میں انبیاء علیہم السلام کی دعوت اور ان کے اقوام کے جوابات پڑھیں، امام الانبیاء خاتم النبیین و سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکی دور کی دعوتِ دین اور کفارِ مکہ کے ردعمل کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ میں اُٹھا کر دیکھیں تو پتہ چلے گا کہ کفار کی ہر تجویز کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ہی بات فرماتے ’’لا الہ الا اللہ‘‘ کہہ لو کامیاب ہو جاؤ گے۔ حتیٰ کہ انھوں نے یہ تجویز بھی رکھی کہ کچھ دن ہم آپ کے معبود کی عبادت کرتے ہیں اور کچھ دن آپ ہمارے معبودوں کی پرستش کریں! جواب میں سورۂ کافرون صاف صاف دوٹوک جواب لے کر نازل ہوگئی ’’اے کافرو! نہ میں تمہارے معبودوں کی عبادت کروں گا نہ تم میرے معبود کی عبادت کروگے، تم اپنے دین پر رہو میں اپنے دین پر قائم رہتا ہوں‘‘۔ مشرکین نے بتوں کو اللہ کا شریک بنایا، فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیا، مجوسیوں نے خیر و شر کا خالق الگ الگ گردانا، نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اور ان کی والدہ مریم بنت عمران کو مقامِ الوہیت پر پہونچا دیا، یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کو ابن اللہ قرار دیا۔

الغرض! ان گمراہ اقوام نے عقیدۂ توحید سے انحراف کیا اور مخلوقات کو خالق کا درجہ دینے کی کوشش کی، اللہ تعالیٰ نے سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا: پڑھیے سورۂ مریم کی آیات ۸۹ تا ۹۳ (ایسی بات کہنے والو!) حقیقت یہ ہے کہ تم نے بڑی سنگین حرکت کی ہے، کچھ بعید نہیں کہ اس کی وجہ سے آسمان پھٹ پڑے، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں کہ ان لوگوں نے خدائے رحمٰن کے لئے اولاد ہونے کا دعویٰ کیا ہے، حالاں کہ خدائے رحمٰن کی یہ شان نہیں ہے کہ اس کو کوئی اولاد ہو۔ آسمان و زمین میں جتنے لوگ ہیں ان میں کوئی ایسا نہیں جو خدائے

رحمٰن کے حضور بندہ بن کر نہ آئے۔

اسی لئے حضور ﷺ مومنین کو عقیدے کے تحفظ اور کفریہ ماحول کے اثراتِ بد سے بچنے کے لیے ”جددوا ایمانکم بقول لا الہ الا اللہ“ (یعنی اپنے ایمان کو کلمہ طیبہ سے تازہ کرتے رہو) کی تلقین فرماتے تھے منکرینِ رسالت نے ”لَسْتَ مُرْسَلًا“ کہہ کر آپ ﷺ کو رسول ماننے سے انکار کیا، حق تعالیٰ نے اپنی کتابِ محکم کی قسم کھا کر فرمایا: ”اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ“ (بالیقین آپ پیغمبروں میں سے ہیں)۔ عقیدۂ ختمِ نبوت پر آنچ آئی تو حق جل مجدہٗ نے مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ فرما کر تردید فرمائی۔ اور آپ ﷺ نے خود اس عقیدہ پر ثباتِ قدمی کے لیے مختلف ارشادات میں انا خاتم النبیین لا نبی بعدی کی بار بار تعلیم فرمائی۔

کفار و مشرکین کتاب اللہ کے بارے میں سحر، پرانے زمانے کی کہانیاں کہہ کر اس کا انکار کیا، حق تعالیٰ شانہٗ نے بالکل واضح انداز میں جواب دیا ”تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۴۳ (سورۃ الحاقہ) یعنی یہ کلام تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے اُتارا جارہا ہے“ دوسری جگہ فرمایا: اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝۲۷ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ۝۲۸ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۲۹ “ (التکویر) یہ تو دنیا جہاں کے لوگوں کے لئے نصیحت ہے تم میں سے ہر اس شخص کے لئے جو سیدھا سیدھا راستہ چاہتا ہے، اور تم چاہو گے نہیں، الا یہ کہ خود اللہ چاہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔

مشرکینِ مکہ نے جب عقیدۂ آخرت میں وقوعِ قیامت اور بعث بعد الموت کا تمسخر کیا اور نہ مانا، تو اللہ تعالیٰ نے واضح انداز میں آگاہی دے دی اور ان کی خام خیالی دور کر دی۔ وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ (سورۃ الحج) (اور اس لئے کہ قیامت کی گھڑی آنے والی ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے اور اس لئے کہ اللہ ان سب لوگوں کو دوبارہ زندہ کرے گا جو قبروں میں ہیں)

الحاصل! عقائد سے متعلق تمام ارشاداتِ قرآنیہ اور تعلیماتِ نبویہ کو ملاحظہ کرلیں یہ بات واضح ہو جائے گی کہ اسلام نے اس سلسلے میں کوئی رَو رعایت نہیں کی ہے، عقائد کے فساد و بگاڑ کو بے لاگ بیان کر دیا اور منکرین و متردین کو سخت ترین وعیدات سنائی اور انھیں عقائد کے باب میں حرف زنی و لب کشائی کی بالکل اجازت نہیں دی۔ ان کے ہر باطل فکر و نظریہ کا رد کیا۔

لیکن امت مسلمہ کی ”ایمانیات و عقائد“ کے تئیں حساسیت نہایت ضعیف ہو چکی ہے، چھوٹے بچوں سے لے کر نوجوانوں تک اور جوانوں سے معمر افراد تک ہر کوئی کسی نہ کسی باطل فرقے کے افکار و نظریات کو شعوری و

بے شعوری طور پر قبول کرتا جا رہا ہے، نونہال تعلیمی اداروں سے، نوعمر لڑکے لڑکیاں اپنے دوستوں سے، نوجوان انٹرنیٹ وموبائل سے، معمر لوگ ٹیلی ویژن اور موبائل پروگراموں کو دیکھ کر، خواتین تعلیمی، تزئینی وتفریحی علاج معالجہ وکلچرلی وتہذیبی پروگراموں میں شریک ہوکر اپنے صحیح عقائد وافکار میں شکوک وشبہات اور زیغ وضلال کو راہ دے رہے ہیں، نتیجہ واضح ہے کہ کوئی ہندومت، کوئی بدھ مت، کوئی مجوسیت، کوئی یہودیت، کوئی عیسائیت کوئی شیعیت، کوئی رافضیت، کوئی مہدویت، کوئی قادیانیت، کوئی شکیلیت، کوئی گوہر شاہیت، کوئی فیاضیت، کوئی جہلمی مرزائیت، تو کوئی لادینیت ونیچریت کو اختیار کرتا جا رہا ہے، پھر اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ اس کا ایمان واسلام صحیح سالم ہے۔ اب تک صرف اخلاقیات وتہذیب کا رونا تھا اب بات آگے بڑھ کر ایمانیات پر آ چکی ہے، کیا اب بھی ہم لوگ اپنے دین وایمان کے بارے میں سنجیدہ نہیں ہوں گے!! فالی اللہ المشتکیٰ۔

آج سے تقریباً 40 برس پہلے جب عالمی منظر نامہ پر ''خمینی'' کی شخصیت مسلم دنیا کے قائد اعظم کی حیثیت سے اُبھر رہی تھی اور امتِ مسلمہ جس فریب اور دھوکہ کا شکار تھی، اور لوگ ایرانی انقلاب کو اسلامی انقلاب، خمینی صاحب کو امام المسلمین اور امتِ مسلمہ کا نجات دہندہ سمجھنے لگے تھے بل کہ اُنھیں سمجھایا جا رہا تھا، اکابر علمائے دیوبند میں سے اس وقت حضرت مولانا منظور نعمانی رحمہ اللہ کو حق تعالیٰ نے اس مکروہ سازش اور پرفریب چہرہ سے نقاب کھینچنے کی توفیق عطا فرمائی، اور نہایت ضعیفی وپیرانہ سالی میں آپ نے ''ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت'' کی تصنیف فرما کر عالمِ اسلام پر احسانِ عظیم فرمایا؛ اسی کتاب کے مقدمہ میں مفکرِ اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے امت کی اس حالتِ زار اور فریب خوردگی کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا تھا:

> تجربے اور مشاہدے سے دو باتوں کا اندازہ ہوا، (۱) بہت سے حلقوں میں مدح وذم اور تعریف و تنقید کا معیار کتاب وسنت، اسوۂ سلف اور عقائد اور مسلک کی صحت نہیں رہا بلکہ اسلام کے نام پر مطلق حکومت کا قیام، طاقت کا حصول کسی مغربی طاقت کو للکار دینا، اس کے لیے مشکلات پیدا کر دینا، اس کو محبوب ومثالی قائد بنا دینے کے لیے کافی ہے۔
>
> (۲) عقیدے کی اہمیت ہماری نئی تعلیم یافتہ نسل میں خطرناک حد تک کم ہوتی جا رہی ہے اور یہ بڑی تشویش انگیز قابل فکر بات ہے انبیاء اور غیر انبیاء کی دعوتوں میں اور ان کی جدوجہد کے مقاصد اور محرکات میں سب سے بڑی حدفاصل یہی **عقیدہ** ہے جس پر وہ کسی سمجھوتہ اور اونے پونے سودا کر لینے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ ان کے یہاں رد وقبول، پسندیدگی وناپسندیدگی کا معیار اور وصل وفصل کی شرط ہی

عقیدہ ہوتا ہے، یہ دین (جو مسلمانوں کی ساری کمزوریوں کے باوجود) اپنی اصل شکل میں اس وقت تک موجود ہے اسی ''عقیدہ'' کے معاملہ میں صلابت واستقامت اور حمیت وغیرت کا رہینِ منت ہے''

(مقدمہ ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت: ص13، 14 مرتبہ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ)

اس اقتباس کو دوبارہ پڑھیے اور اکابر کی دوررس، بصیرت افروز وچشم کشا تحریر کی روشنی میں موجودہ فسادِ عقیدہ کا سببِ اصلی تلاش کیجئے اور حل کی طرف قدم بڑھائیے۔

● اس سلسلے میں عامۃ المسلمین سے گزارش ہے کہ وہ گھروں میں روزانہ عقائد کی تعلیم کا معمول بنائیں۔

● والدین وسرپرست اس بات کو اپنی ذمہ داریوں میں شامل فرمائیں کہ اسکولی طلبہ وطالبات جب گھر واپس آجائیں تو وہ ان کے روز کی ایکٹیوٹیز معلوم کریں اور کوئی کفریہ وشرکیہ نقل وحرکت محسوس ہو تو فوری اس کی اصلاح کریں اور ممکن ہو تو اسکول انتظامیہ کو خلافِ مذہب باتیں نہ سکھانے کا پابند بنائیں، بچوں سے شرکیات نہ کروانے کا عہد لیں۔

● مکاتب دینیہ اور قرآنیہ چلانے والے حفاظ وعلماء اور خدامِ دین مکاتب میں آنے والے نونہالوں کو ''عقائدِ اسلام'' عام فہم انداز میں سمجھا کر قلوب میں راسخ فرمائیں۔

● نوجوان لڑکے لڑکیاں اپنے دوستوں کے پاس سے آنے والے نئے افکار ونظریات کا اپنے بڑوں سے ذکر کریں یا کم از کم علماء سے رابطہ کر کے ان کے افکار وخیالات کی جانچ کروالیں، تبھی دوستی نبھائیں ورنہ اپنے دین وایمان کی خیر منائیں۔

● بڑے معمر حضرات سے گزارش ہے کہ وہ ٹی وی چینلز کی نشریات اور یوٹیوب پر دکھائے جانے والے ملحدانہ پروگراموں سے بچیں کیوں کہ وہ آہستہ آہستہ ایسے افکار ونظریات کا شکار ہو رہے ہیں جو ان کے اسلامی عقائد کے بالکل خلاف ہیں اور انہیں پتہ بھی نہیں کہ ساری عمر دین وایمان کی سلامتی کے ساتھ گزار کر آخیر وقت میں کفر پر اس دنیا سے رخصت ہو جائیں۔

● علماء وخطباء اپنے جمعات کے خطابات اور عام ہفتہ واری یا ماہانہ دروس میں عقائد کے سلسلے میں عوام میں شعور بیدار کریں اور اس سلسلے میں لکھی گئی علماء کرام کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کی ترغیب دیں اور ان کی غلط فہمیوں کا ازالہ کریں۔

اللہ کرے کہ امت مسلمہ اس سنگین دور میں اپنے ایمان کو سلامت رکھنے میں کامیاب ہو جائے۔ اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اِتِّبَاعَہٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلاً وَّارْزُقْنَا اِجْتِنَابَہٗ

گوشۂ سیرت

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شبِ ہجرت

از: مولانا سید خواجہ نصیرالدین قاسمی*

جب قریش کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (اہلِ یثرب سے) معاہدہ کر چکے ہیں اور مکہ میں موجود صحابہؓ کو مدینہ منورہ اپنے ایمانی بھائیوں کے پاس چلے جانے اور وہیں رہ کر امورِ دین میں مشاورت کرنے کا حکم دے چکے ہیں تو انہوں نے کہا کہ: اب وقت آ گیا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بارے میں کچھ فیصلہ کرلیا جائے کیوں کہ بخدا! وہ لوگوں کو جمع کر کے تمہاری خبر لیں گے! اس لئے یا تو اُنھیں قید کردو، یا قتل کردو یا شہر بدر کردو۔ چنانچہ دارالندوہ میں اس سلسلے میں اجتماع ہوا، جب یہ لوگ دارالندوہ (میٹنگ ہال) پہنچے تو شیطان خوب رُو آدمی کی شکل میں چادر اوڑھے ہوئے نمودار ہوا اور مشورہ میں شرکت کی اجازت طلب کی انہوں نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے بتایا کہ میں نجد کا باشندہ ہوں اور تمہارے اس مشورے کی مجھے خبر ملی تو اس میں شریک ہونے کے لیے حاضر ہو گیا تا کہ تمہیں کوئی مناسب رائے اور خیر خواہی کر سکوں تو انہوں نے اس کو اجازت دے دی، مشورہ شروع ہوا، سب کا اس پر اتفاق تھا کہ اس شخص (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بارے میں کچھ نہ کچھ طے کیا جائے۔ حاضرین میں شیبہ، عتبہ، ابوجہل بن ہشام، نضر بن حارث شریک تھے۔

حاضرین میں سے ایک نے کہا کہ: میرا مشورہ یہ ہے کہ تم لوگ ان کو قید کردو اور انتظار کرو کہ وہ اپنی موت مرجائیں جیسا کہ شعراء میں سے زہیر بن ابوسلمہ اور نابغہ وغیرہ فوت ہوئے۔

اس نجدی بوڑھے نے کہا: یہ رائے ٹھیک نہیں! اگر تم ایسا کرو گے تو تمہاری یہ بات ان کے ساتھیوں کو معلوم ہو جائے گی، اور وہ ان کو تمہارے قبضے سے چھڑا لے جائیں گے اور تم ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے اور وہ تم پر غالب آ جائیں گے۔

دوسرے شخص نے کہا کہ: میری رائے یہ ہے کہ ہم انہیں شہر بدر کردیں، نہ وہ یہاں رہیں گے نہ اُن کی بات چلے گی، وہ کہیں جا کے رہیں ہمیں کیا کرنا ہے؟ ہمارا مسئلہ حل ہو جائے گا اور ہمارے حالات ٹھیک ہو جائیں گے۔

اس نجدی نے کہا: خدا کی قسم! یہ رائے بھی ٹھیک نہیں، کیا تم ان کی شیریں گفتاری اور حسنِ کلام سے واقف نہیں ہو؟ جو اُن سے ملتا ہے اُن کا ہو جاتا ہے، اگر تم نے ایسا کیا تو قبائل عرب میں سے کسی قبیلہ کو وہ اپنا ہم نوا بنالیں گے، ان کے ساتھ مل کر تمہارے اوپر حملہ آور ہوں گے اور پھر تم سب ختم ہو جاؤ گے اس لیے مجھے اس رائے میں کچھ خیر معلوم نہیں ہوتا۔

ابوجہل بن ہشام نے کہا کہ: میرے ذہن میں ایک بات آرہی ہے اور وہ مناسب بھی معلوم ہوتی ہے لوگوں نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ: میرا مشورہ یہ ہے کہ تم قریش کے ہر قبیلے سے ایک عالی نسب، بہادر نوجوان کو منتخب کرو، اور ان سب کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں دے دو پھر وہ سب یکبارگی اس شخص پر حملہ کردیں، سب مل کر کے حملہ کریں گے تو اُن کا خون سب قبائل پر بٹ جائے گا اور عبد مناف کو کچھ سجھائی نہیں دے گا اور نہ وہ پوری قوم سے لڑ پائیں گے! زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ وہ دیت کا مطالبہ کریں گے تو دیت سب مل کر ادا کردیں گے۔

نجدی شخص نے کہا کہ: واہ کیا بات ہے! زبردست رائے ہے!! اس سے اچھی کوئی رائے نہیں ہوسکتی!

سب کا اس پر اتفاق ہو گیا اور مجلس برخاست ہوگئی اور اِدھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو (اُن کے منصوبے اور مشورے کی) خبر ہوگئی اور آپ کو حکم ملا کہ آج آپ اپنے بستر پر آرام نہ فرمائیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی جگہ پر سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شب گزاری کا حکم دیا۔ (دلائل النبوۃ: ۲/ ۳۴۴، ۳۴۵)

(بقیہ صفحہ ۱۸ سے)

پھر تمام حاجت مندوں کو بلا کر تمام درہم میں ان میں اس طرح تقسیم کر دیئے جس طرح کھجور تقسیم کئے جاتے ہیں ”أن عمر بن الخطاب بعث إلى سودة بنت زمعة بغرارة من دراهم فقالت: ما هذه؟ قالوا: دراهم، قالت: في الغرارة مثل التمر، ففرقتها“ (الطبقات الکبری لابن سعد ۸/ ۴۵، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

وفات

ان کی وفات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دور خلافت میں ہوئی، ابن سعد نے واقدی سے نقل کیا ہے کہ ان کی وفات حضرت معاویہؓ کے دورِ خلافت میں سن ۵۴ ہجری میں ہوئی، اسی بات کو انہوں نے درست قرار دیا ہے۔ ”أن سودة توفيت في شوال سنة أربع وخمسين بالمدينة في خلافة معاوية بن أبي سفيان، قال محمد بن عمر الواقدي: وهذا الثبت عندنا“ (الطبقات الکبری لابن سعد، سودۃ بنت زمعۃ: ۸/ ۴۴)

گوشۂ خواتین

اسلام کی باکمال خواتین

ام المؤمنین حضرت سودہؓ بنت زمعہ

از: مولانا مفتی رفیع حنیف صاحب قاسمی*

نام ونسب:

نام؛سودہؓ،قبیلہ قریش کے بنی عامر بن لوی سے تعلق رکھتی ہیں،سلسلہ نسب کچھ اس طرح ہے: سودہ بنت زمعہ بن قیس بن عبد شمس بن عبدودّ بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی۔

والدہ محترمہ کا نام ''شموس بنت قیس بن زید بن عمرو بن لبید بن خراش بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار'' تھا، جو قبیلہ انصار کے خاندان نجار سے تعلق رکھتی تھیں،حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح اپنے چچازاد بھائی حضرت سکران بن عمر سے ہوا۔(الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب،سودۃ بنت زمعہ: ۴/ ۱۸۶۷،دارالجیل،بیروت)۔

قبول اسلام:

نہایت نیک طینت واقع ہوئی تھیں،دعوت حق کی آواز پر فوراً لبیک کہا،شوہر بھی سعید الفطرت تھے انہوں نے بھی قبول اسلام کیا،حبشہ کی دوسری ہجرت میں یہ اپنے شوہر کے ساتھ حبشہ روانہ ہوئی، وہاں کئی برس قیام کے بعد مکہ واپس آئیں، چند دن بعد سکران کی وفات ہو گئیں،حضرت سودہؓ بیوہ ہو گئیں۔

آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر گھر کی بچیوں کی دیکھ بھال کا بار تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ ملول سے رہنے لگے،حضرتِ بنت حکیم نے بارگاہ نبوی میں آپ کے نکاحِ ثانی کی اجازت چاہی، چنانچہ حضرت سودہؓ اوران کے والد زمعہ بھی راضی ہو گئے، پھر زمعہ نے بذات خود چارسو درہم پر اپنی لختِ جگر کا نکاح آپ سے کروادیا۔(الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ،سودۃ بنت زمعہ:۸/ ۱۹۶،دارالکتب العلمیۃ،بیروت)۔

یہ مبارک نکاح باختلاف روایت رمضان کے اواخر یا شوال سن ۱۰ نبوی،بعد وفات حضرت خدیجہؓ اور

* استاذ فقہ وادب: ادارہ کہف الایمان ٹرسٹ،بورہ بنڈہ،حیدرآباد

حضرت عائشہؓ سے نکاح سے پہلے ہوا، حضرت سودہؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہجرتِ مدینہ کے بعد، حضرت ابورافع اور زید بن حارثہؓ کے ہم راہ حضرت فاطمہ الزہراءؓ اور حضرت ام کلثومؓ کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ ہجرت فرمائیں۔"تزوج رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سودة في رمضان سنة عشر من النبوة بعد وفاة خديجة وقبل تزوج عائشة، ودخل بها، وهاجر بها إلى المدينة"۔(الطبقات الکبری لابن سعد:۸/ ۴۳، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

اس کے علاوہ ایک روایت یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنے پہلے شوہر حضرت سکرانؓ کے حینِ حیات ایک دفعہ خواب میں دیکھا کہ وہ تکیہ کے سہارے لیٹی ہوئی ہیں، اس دوران آسمان پھٹا اور چاند ان پر گر پڑا، انہوں نے یہ خواب اپنے شوہر سکران سے بیان کیا تو وہ بولے، اس خواب کی تعبیر یہ معلوم ہوتی ہے کہ میری وفات ہوجائے گی اور تم عرب کے چاند محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نکاح میں آؤ گی" رأت في المنام ليلة أخرى أن قمرا انقض عليها من السماء، وهي مضطجعة، فأخبرت زوجها، فقال: وأبيك لئن صدقت رؤياك، لم ألبث إلا يسيرا، حتى أموت تزوجين من بعدي" (الطبقات الکبری لابن سعد:۸/ ۴۶، دار الکتب العلمیۃ، بیروت) واقعہ اسی طرح ہوا

اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دلجوئی

جب حضرت سودہ بوڑھی ہوگئیں انہوں نے اپنی باری کا دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو مرحمت فرمادیا، مقصود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دل جوئی تھی اور چونکہ یہ عمر دراز بھی ہوچکی تھیں۔ترمذی کی روایت میں ہے حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ حضرت سودہؓ کو یہ اندیشہ تھا کہ کہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان کی درازیٔ عمر کی وجہ سے ان کو طلاق نہ دے دیں؛ اس لئے انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے طلاق نہ دیں اور میرا دن حضرت عائشہؓ کو مرحمت فرمائیں اور شریعت میں اس طرح کی صلح جائز ہے۔"لا تطلقني، وأمسكني واجعل يومي لعائشة" (الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، سودۃ بن زمعہ:۸/ ۱۹۶، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

وہ جنت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ازواج شمار ہونا چاہتی تھیں، ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے عرض کیا مجھے مرد کی کوئی حاجت تو نہیں رہ گئی؛ لیکن میں چاہتی ہوں کہ روز قیامت آپ کی بیویوں کے زمرہ میں میرا شمار ہو "لا تطلقني وأنت في حل من شأني، فإنما أود أن أحشر في زمرة أزواجك، وإني قد وهبت يومي لعائشة، وإني لا أريد ما تريد النساء، فأمسكها رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حتى توفي عنها مع سائر من توفي عنهن من أزواجه رضي الله عنهن" (الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب، سودۃ بنت زمعہ، دار الجیل، بیروت)۔

بااخلاق، پرمزاح خاتون

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ میں نے کسی عورت کے سلسلے میں یہ نہیں چاہا کہ میں اس کے طریقہ کار اور

سیرت پر ہوتی سوائے حضرت سودہؓ کے (میں تمنا کرتی کہ میں ان کی عادات واطوار کی حامل ہوتی) البتہ ان کے مزاج میں تھوڑی تیزی تھی۔ ''ما من الناس أحد أحب إلي من أن أكون في مسلاخه من سودة بنت زمعة إلا أن بها حدة'' (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، سودۃ بنت زمعۃ، ۴/۱۸۶۷، دارالجیل، بیروت)

حضرت ابراہیم سے منقول ہے کہ حضرت سودہؓ فرماتی ہیں: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کل میں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اتنا لمبا رکوع کیا کہ میں اپنی ناک پکڑ کر رہ گئی مجھے اندیشہ ہونے لگا کہیں میری ناک سے خون نہ جاری ہوجائے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سن کر ہنس پڑے، اور وہ کبھی کچھ کہہ کر ہنسا دیا بھی کرتی تھیں ''صليت خلفك الليلة، فركعت بي حتى أمسكت بأنفي مخافة أن يقطر الدم، فضحك وكانت تضحكه بالشيء أحيانا''۔ (الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، سودۃ بنت زمعہ، ابن حجر، دارالکتب العلمیۃ، بیروت)

نیک عورت

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جب ہم نے مزدلفہ میں قیام کیا تو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت سودہؓ کو لوگوں کے اژدہام کی وجہ سے پہلے روانہ ہونے کی اجازت دے دی تھیں، وہ بھاری بھرکم بدن کی خاتون تھیں، اس لیے آپ نے اجازت دے دی چنانچہ وہ اژدہام سے پہلے روانہ ہوگئیں۔ لیکن ہم وہیں ٹھہرے رہے اور صبح کو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ گئے اگر میں بھی حضرت سودہؓ کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت لیتی تو مجھ کو تمام خوشی کی چیزوں میں یہ بہت ہی پسند ہوتا ''ولأن أكون أستأذنته أحب إلي من معروج به''۔

(الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، سودہ بنت زمعہ: ۸/۱۹۶، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

حجۃ الوداع کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے تمام ازواج سے مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ ''اس حج کے بعد اپنے گھروں میں بیٹھنا'' چنانچہ حضرت سودہؓ اور زینب بنت جحشؓ نے اس حکم پر نہایت سختی سے عمل کیا، دوسری ازواج اس کو ادائے حج سے ممانعت پر محمول نہیں کرتی تھیں، حضرت سودہؓ اور حضرت زینبؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد ساری عمر گھر سے نہ نکلیں، بلکہ حضرت سودہ یہ کہا کرتی تھیں: میں حج وعمرہ دونوں کر چکی ہوں، اب خدا کے حکم کے مطابق گھر سے باہر نہ نکلوں گی'' ''قالت سودة: حججت واعتمرت فأنا أقر في بيتي كما أمرني الله عز وجل'' (الطبقات الکبری لابن سعد، سودۃ بنت زمعۃ بن قیس: ۸/۴۴، دارالکتب العلمیۃ، بیروت)

حضرت عمر بن خطابؓ اپنے دورِ خلافت میں ان کی خدمت میں درہموں کی ایک تھیلی ہدیہ بھیجی، انہوں نے پوچھا، اس میں کیا ہے، لوگوں نے بتلایا کہ درہم ہیں، فرمانے لگیں: تھیلی میں درہم کھجوروں کی طرح!۔۔۔۔

(بقیہ صفحہ ۱۵ پر)

اصلاحی مضامین

ہندوستانی فلموں کا کانسپٹ اور "فلم اُدئے پور فائلز"

از: مولانا مفتی محمد سلمان قاسمی*

انسانی خیالات بننے بگڑنے میں مشاہدہ بڑا اثر دار ہے انسان جو چیزیں پڑھتا ہے اس کے بارے میں تردد ہوسکتا ہے کہ یہ امرِ واقعی ہے یا نہیں، اسی طرح سنی ہوئی باتوں کے متعلق خلجان ہوسکتا ہے کہ یہ ہوائی باتیں اور رومرز ہوں، مگر جن چیزوں کو انسان بہ چشم خود دیکھتا ہے اور جو باتیں اس کے پردۂ نظر سے ٹکراتی ہیں وہ اس کا نظریہ اور اعتقاد بن جاتی ہیں، اور ان کے سچ و برحق ہونے کا وہ یقین کرنے لگتا ہے، فلم بینی اس وقت ایک روگ اور فیشن بن چکا ہے، بیشتر لوگ ہفتہ واری تفریح کے لیے مع عائلہ سینما ہال کا رخ کرتے ہیں، تو اہل باطل کے ذہنوں میں یہ خیال پنپا کہ انہی فلموں، ڈراموں کے ذریعے لوگوں کی آئیڈیالوجی تبدیل کی جائے، چنانچہ عشق و محبت کی داستانیں، رومانوی فلمیں اور ہم جنس پرستی کو فروغ دینے والے ڈرامے وغیرہ بنا بنا کر نسل انسانی اور نوجوانوں کے افکار کو پراگندہ کیا جانے لگا، پھر رفتہ رفتہ اپنے اندرون مخفی اسلام دشمنی کے تناظر میں وہ اپنے فلموں اور ڈراموں میں اسلام مخالف مدعوں کو بڑے شد و مد کے ساتھ پیش کرنے لگے اور ایسی فلموں کو منظر عام پر لانا شروع کیا جس سے عالمی پیمانے پر اسلام کی بدنامی ہو اور لوگوں کے ذہنوں میں عمومی طور پر اسلام کے تعلق سے منفی تاثرات قائم ہو جائیں؛ یہ مرض کئی صدیوں تک ہالی وڈ (یورپی) فلموں تک محدود رہا اور ہندوستانی فلمیں عشق و محبت کی کہانیاں، سیاسی شعور بیداری اور سماجی پیغامات اور باہمی میل ملاپ اور خاندانی تعلقات کی بحالی وغیرہ پر مبنی ہوا کرتی تھیں لیکن تقریباً ایک دہائی قبل سے بلکہ زعفرانی جماعت کی پشت پناہ پارٹی BJP کے وزارت عظمی پر براجمان ہونے کے بعد ملک بھر میں ہندو مسلم کشاکشی زوروں پر ہوگئی تو اس کے زہریلے اثرات فلم سازوں اور ہدایت کاروں کے اذہان پر بھی حاوی ہو گئے، اور انہوں نے بھی ایسی فلموں کو تشکیل دینا شروع کیا جس سے ملکی امان کی پامالی اور انتشار میں اضافہ ہو، اور اندر ہی اندر ان اسٹوری نگاروں اور ہدایت کاروں کو رائٹ ونگ ذہنیت کے لوگ اور برسر اقتدار پارٹی کے قائدین اور خود وزیر اعظم کی جانب سے خوب ستائش حاصل ہوئی نیز ان کو بیک سپورٹ اور ہمت و تقویت فراہم کی گئی، اور ان فلموں کو سینما گھروں میں چلا کر

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

باکس آفس کلیکشن بھی بڑھانے کی کوشش کی گئی۔غرض ان تمام کا مقصد محض ہندوستانیوں کے ذہن میں مسلمانوں کے تعلق سے نفرت کا بیج بونا اور مذہبیت کی بنا پر ہندوؤں کو متحد کر کے ہندوراشٹر کی تشکیل ہے،عمومی طور پر آج جو فلمیں بن رہی ہیں ان کے گنے چنے کانسپٹ ہیں،ایک فلموں میں مسلمانوں کو دہشت گرد،غدار،اور امن عالم کا دشمن اور تمام فسادات کا ضامن قرار دیا جائے چنانچہ فلم سازوں نے اس کے لیے پڑوسی ملک اور ہندوستان کے مابین کشیدگی کا سہارا لے کر Kabul express, Article 15,Uri the surgical strike, Baby وغیرہ جیسی متعدد فلمیں بنا کر ریلیز کیں جن میں ہند و پاک کے درمیان کی جنگوں جھڑپوں کو بنیاد بنا کر مسلمانوں کے بابت ہندوؤں کے جذبات کو ابھارا گیا،دوسرے ہندوستان میں ایک طویل عرصے تک مسلم بادشاہوں کا راج رہا،چونکہ وہ اپنے دور حکومت میں اسلامی حدود و قیود کے پابند تھے،ان کو احساسِ منصب کے ساتھ خلق خدا کے متعلق خدا کے حضور جواب دہی کی فکر بھی دامن گیر تھی تو اس لیے انہوں نے بڑی عدل گستری و انصاف پروری کے ساتھ ملک کے زمامِ اقتدار کو سنبھالا اور تمام مذاہب کے لوگوں کے ساتھ مساویانہ رویہ اختیار کیا،لیکن اس تاریخ کو علی حالہ باقی رکھتے ہوئے ہندوراشٹر یا اکھنڈ بھارت کا خواب شرمندہ تعبیر ہونا ممکن نہ تھا تو انہوں نے مسلم بادشاہوں کی زندگیوں کو اپنی فلموں کا کانسپٹ بنایا جس میں ان کی حقیقی تاریخ کو مکمل مسخ کر کے من گھڑت قصوں کو وقائع اور حقائق باور کرانے کی کوشش کی گئی،چنانچہ

the pride of India,Padmavat, bhuj, panipat, Razakar, Chava Samrath prithvi raj,Shivaji Maharaj Takht وغیرہ فلمیں سامنے آئیں جن میں ہندوستانی مسلم فرمان رواؤں مثلاً سلطان محمود غزنوی،علاء الدین خلجی،اورنگ زیب عالمگیر اور دیگر مغل شاہوں کی کردار کشی کی گئی اور ان کو کہیں ظالم،کہیں عاشق،کہیں بزدل اور کہیں ہندوؤں کے ساتھ ظالمانہ سلوک کرنے والا بتایا گیا،تیسرے اسلامی تعلیمات کا مذاق اُڑانے کے لیے Lipstick under my burqa Ham2 Hamare 12,72hooren اور اس جیسی فلمیں منظر عام پر لائی گئیں تا کہ اسلامی تعلیمات اور اسلامی تمدن سے لوگوں کو چڑھ پیدا ہو جائے،پھر ان فلموں کو سیاسی رنگ دینے اور عین الیکشن کے وقت مسلمانوں کے خلاف غیظ وغضب کو برانگیختہ کرنے کے لیے ملک میں پیش آمدہ دنگوں کو مسلمانوں پر تھوپنے کی کوشش کی گئی اور تا ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے،چنانچہ حال ہی میں کچھ واقعات کو اس طرح فلمایا گیا کہ انتہا پسند لوگوں کے علاوہ سنجیدہ ہندو عوام بھی لفظ مسلم سن کر دانت پیسنے لگے چنانچہ مدھیہ پردیش اور بنگال الیکشن کے بالکل قریب The Kashmir Files کو ریلیز کیا گیا جس میں ایک طرفہ کہانی دسیوں جھوٹ شامل کر کے دکھائی

گئی کہ مسلمانوں نے کشمیری پنڈتوں کا قتل عام کیا جب کہ جو مظالم کشمیری مسلمانوں نے جھیلے ہیں اور ابھی تک جھیل رہے ہیں اس کی جھلک تک نہیں بتلائی گئی، پھر کرناٹک الیکشن کے عین وقت The Kerala story کے نام سے ایک فلم ریلیز ہوئی جس میں یہ بتایا گیا کہ مسلمان ہندو لڑکیوں کو اغوا کرنے کے بعد ان کا برین واش کر رہے ہیں اور ان کو جبراً مسلمان بنا کر تقریباً 40 ہزار کی تعداد میں ہندو لڑکیوں کو عراق و شام اور افغانستان کی جہادی تنظیموں میں شمولیت پر مجبور کیا گیا حالاں کہ حقیقی واقعہ صرف تین یا چار لڑکیوں کا ہے جن میں ہندو لڑکی صرف ایک تھی لیکن اس طرح کے مظالم جھیلنے والی لڑکیوں کی تعداد 40 ہزار بتا کر مسلمانوں کے متعلق غنڈہ گردی، جبری اسلام کی تبلیغ اور دہشت گردانہ ذہنیت کا زہریلا تاثر لوگوں کے ذہنوں میں ڈالنے کی نامشکور سعی کی گئی۔

یہ آج کل کے ہندوستانی فلموں کا مختصر سا پس منظر ہے جس کو سیاسی رنگ دے کر ہندو مسلم کھیل کھیلا جا رہا ہے اور اقلیتوں اور اکثری طبقے کے بین خلیج کو طول دینے کی کوشش کی جارہی ہے۔

ابھی 2025 کے درمیان میں بہار الیکشن منعقد ہونے والا ہے، اور بہار کے وزیر اعلیٰ نتیش کمار جو سیکولرازم کا جھوٹا ناٹک کرتے ہیں اور ان کا مکھوٹا اور اصلی چہرہ وقف ترمیمی بل کی حمایت کے ذریعے بہت اچھی طرح سامنے آچکا ہے تو بھاجپا کو بہار میں اپنی کرسی بچانا نیز حکومت کی ناکامیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے دوبارہ کامیابی مشکل نظر آرہا ہے، بہار جو پسماندگی میں ضرب المثل ہے اور فی الحال اتر پردیش کے بعد کرائم ریٹ بھی صوبہ بہار کا ملک میں نمایاں نظر آرہا ہے تو اس تناظر میں کوئی ایسی چال چلنی چاہیے جس سے پھر ہندو مذہبیت و مسلم نفرت کی آڑ میں متحد ہوں اور بھاجپا کو ووٹ دے کر جتا دیں، اس لیے کہ نتیش کمار کا اصلی چہرہ واضح ہونے کے بعد سیکولر ووٹوں کا ملنا بہ ظاہر مشکل ہے تو ایک واقعہ جو ادے پور میں پیش آیا اس کو بنیاد بنا کر ایک اور پروپگنڈا فلم "Udaipur Files" بنائی گئی ہے جو آج کل میں ریلیز ہونے کو ہے، (اللہ پاک کی مدد سے ہمارے علماء و قائدین کی کوشش کامیاب ہوئی اور یہ فلم کسی طرح ریلیز نہ ہونے پائے)

فلم جس واقعہ پر مبنی ہے اس کا مختصر پس منظر یہ ہے کہ ادے پور کا ایک درزی کنہیا لال کمار نے خبیث ترین عورت نوپور شرما کے سید الکائنات محبوب رب العالمین سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور کائنات کی معزز ترین عورت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے خلاف جو ہفوات اور دریدہ دہنی کی تھی اس کی سوشیل میڈیا پر کھل کر تائید کی اور اس سے متعلق پوسٹ وائرل کیا تو دو مسلمان پتہ نہیں ان کے پیچھے کیا عوامل کارفرما تھے اور ان کو کس نے اکسایا تھا کنہیا لال کی دکان پر پہونچ کر اس کو قتل کر دیتے ہیں اور اس کی ویڈیو سوشل میڈیا پر ڈالتے ہیں، اب یہاں غور طلب امر یہ ہے کہ ان کو یہ کام کرنے کے لیے ملکی مسلمانوں نے زور نہیں ڈالا بلکہ خود

ہندوستان کے مسلمان اور علماء وقائدین نے اس واقعے کی مذمت کی اور صاف طور پر اعلان کردیا کہ اس طرح کے کاموں کو اسلامی تعلیمات نہ سپورٹ کرتی ہیں نہ پرموٹ کرتی ہیں، مگر ان تمام حقائق پر پردہ ڈالتے ہوئے ان دو شخصوں کے جرم کو پوری قوم پر تھوپنے کی کوشش اس فلم میں کی گئی اور ٹریلر سے ایسا لگتا ہے کہ اس فلم کا مقصد پوری مسلم کمیونٹی کو جہادی فسادی باور کرانا ہے، اور ایک دو نہیں بلکہ اب تک کے کئی تنازعات کو اس فلم میں چھیڑا گیا ہے، فلم کے ٹریلر سے اندازہ ہوا کہ اس فلم کے ذریعے پرانے مسئلوں کو دوبارہ ہوا دینا مقصود ہے، چنانچہ ملعون نو پور شرما کے متنازع بیان کو دکھایا گیا اور اس کے متعلق کئے جانے والے احتجاجی جلوسوں کو جھگڑا وفساد کے روپ میں پیش کیا گیا، مسلمان بادشاہوں بالخصوص حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمہ اللہ کو دوبارہ ہائلٹ کرکے مندروں کو مسمار کرنے اور وشوانادمندر کو گرانے اور ہندوؤں کے ساتھ زیادتی کرنے والے جابر حکمرانوں کے طور متعارف کیا گیا، نیز مندر مسجد تنازع کو زیر بحث لاکر ایسا باور کرایا گیا کہ کئی سارے مساجد آج مندریں گراکر بنائی گئی ہیں، خاص کر گیان واپی مسجد جس نے پورے ملک میں تنازعہ کھڑا کیا تھا اس کو بھی فلم کی اسٹوری میں شامل کرکے ہندوؤں کے جذبات ابھارنے کی کوشش کی گئی، نیز کنہیا لال کا قتل کرنے والے دو افراد کو ٹارگٹ کرکے ملکی مسلمانوں کو بیرون ریاست تنظیموں سے سازباز رکھنے والے اور ان کے اشاروں پر کام کرنے والے لوگ کہہ کر بدنام کرنے کی کوشش کی گئی، مسلم قائدین اور استاذ محترم حضرت مولانا ارشد مدنی صاحب کو بھی صراحتاً نہ سہی اشارتاً دکھا کر ملک میں مسلمانوں کے جذبات کو برانگیختہ کرنے والے لیڈروں کے طور روشناس کیا گیا، مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے فتاویٰ کو بھی موضوع بنا کر ایک خالص امن پسند ادارہ جس کے سپوتوں نے خون جگر سے اس ملک کی آبیاری کی ہے بدنام کرنے کی کوشش کی گئی، مزید برآں سب سے بڑا ستم یہ کہ سیدنا مولانا حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات عالی شان اور آپ کی طیبہ طاہرہ بیوی ہماری ماں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کو بنیاد بنا کر نعوذ باللہ آپ کے پاکیزہ کریکٹر کو داغ دار کرنے کی کوشش کی گئی، اس کے علاوہ بھی کئی ساری چیزیں دکھائی گئیں۔

دوسری طرف کنہیا لال درزی جس کے پوسٹ شیر کرنے سے ہی اس کی ذہنیت کا اندازہ ہوتا ہے اس کو انتہائی مظلوم ومعصوم ایک غریب فیملی مین کے طور پیش کیا گیا کہ وہ ایک سادہ سیدھا کاروباری ہے، بیچارہ اپنے کام سے کام رکھنے والا، کپڑے سی کر گھر چلانے والا جس کے پیچھے ایک بیوی اور بیٹیاں اور خاندان ہے، بس ایسے شخص کو قتل کرکے اس کے سہاگ کو اجاڑا گیا اور اس کے گھر کو سہارے سے محروم کیا گیا وغیرہ وغیرہ تاکہ دیکھنے والوں کا دل پسیج جائے اور اس کا قتل کرنے والے دو لوگوں کے بجائے پوری مسلم سماج سے وہ لوگ متنفر ہوں۔

یہ بس دو ڈھائی منٹ کے ٹریلر سے اخذ کردہ پوائنٹس ہیں اب پتہ نہیں اور کیسی خطرناک چیزوں کو فلمایا گیا ہے، فلم ریلیز ہونے کے بعد یہ ساری باتیں سامنے آئیں گی، خدا کرے کہ یہ سینما ہالوں میں ریلیز اور یوٹیوب چینلز پر اپلوڈ ہی نہ ہو۔

ہمارے مسلمان بھائی بالخصوص سوشل میڈیا سے جڑے نوجوانوں سے گذارش ہے کہ وہ حد سے زیادہ اس فلم کو مدعانہ بنائیں اور بائیکاٹ بائیکاٹ کا ٹرینڈ چلا کر اس غیر معروف اور چھوٹے بڈ جٹ کی فلم کا خوامخواہ پروموشن نہ کریں، عموماً ہوتا یہ ہے کہ کوئی آیت یا اسلامی پوسٹر لگا کر سیوشل میڈیا انسٹا گرام وغیرہ پر بائیکاٹ کا ہیش ٹیگ چلا دیا جاتا ہے اور مسلمان ضروری سمجھ کر اس کو خوب شیر کرتے ہیں جب کہ بعض مبصرین سے میں نے سنا کہ اس طرح سب سے پہلے کرنے والے بھی خود ہندو آئی ٹی سیل سے تعلق رکھنے والے لوگ ہوتے ہیں، وہ اسی لیے ایسے پوسٹ چلاتے ہیں کہ مسلمان بائیکاٹ کے نام پر اس کا پرموشن کرتے رہیں، خود مجھے اس فلم کے بارے میں ایک صاحب کی اسٹوری دیکھ کر علم ہوا ہے، غرض کہنے کی بات یہ ہے کہ ہمارا اقدام سوچ سمجھ کر ہونا چاہیے اور علماء وقائدین کے منشا و مشورے کے مطابق ہونا چاہیے، ہم خود ایک چیز سوچ کر بغیر کسی نظم وضبط اور پراپر پلاننگ کے پیش قدمی کریں گے تو اس سے محض نفس کی تسلی اور قوم کا نقصان ہوگا۔

یہ ملک جمہوری ملک ہے یہاں اقوام کے درمیان جس قدر اتحاد ہوگا اسی قدر ملک ترقی کی جانب گامزن ہوگا، اگر ملک کے باسیوں کو باہمی طور بٹنے اور ایک دوسرے سے نفرت کرنے میں الجھا کر رکھا جائے تو ملک بدستور تنزل کی طرف ہی جاتا رہے گا۔

اللہ پاک اس ملک میں امن قائم کرنے والی حکومت قائم فرمائیں۔

(بقیہ صفحہ ۲۹ سے)

گنہگار مسلمان کو سزا پانے کے بعد جنت میں داخل کیا جائے گا، پھر سارے جنتی ہمیشہ جنت میں اور سارے جہنمی ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ اور جنت اور جہنم کے درمیان اعراف ہے، اس میں وہ لوگ رہیں گے جو اپنے اعمال کے لحاظ سے نہ جہنم میں جانے کے مستحق ہیں اور نہ جنت میں جانے کے لائق؛ بالآخر ان سب کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

جنت بہت آرام و راحت کی جگہ ہے جہاں ہمیشہ رہنا ہے اور جہنم سخت تکلیف و عذاب کی جگہ جہاں کافروں کو ہمیشہ رہنا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو جنت عطا فرمائیں اور جہنم سے بچالیں!

اصلاحی مضامین

ہمارے عقیدے

از: مولانا اشتیاق احمد قاسمی*

ہم اللہ کے بندے ہیں، اس کی ساری باتوں کے پابند ہیں، اللہ کی بعض باتوں کا تعلق جسم سے ہے، ان کو ''اعمال'' کہا جاتا ہے، جیسے نماز، روزہ، حج، زکوۃ اور بعض باتوں کا تعلق ماننے سے ہے ان کو عقائد کہتے ہیں، جیسے توحید ورسالت اور آخرت کو ماننا۔ اسلام کی پانچ بنیادوں میں سے پہلا ایمان (عقیدہ) ہے، اسے ''کلام'' بھی کہا جاتا ہے اور بقیہ چار اعمال ہیں۔ عقیدہ کی درستگی کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں اور نہ ہی دوزخ سے نجات ممکن ہے، جنت میں داخلہ کی شرط عقیدے کا درست ہونا ہے۔ ہمارے اہل السنۃ والجماعۃ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہم عقیدے اور عمل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہؓ کے راستے پر ہیں ان کے قول وعمل کو حجت مانتے ہیں، اہل السنۃ والجماعۃ ہی فرقہ ناجیہ (نجات پانے والی جماعت) ہے۔

ہر مسلمان کو سات چیزوں کا عقیدہ رکھنا واجب ہے:

(1) اللہ کو ایک ماننا۔ (۲) فرشتوں کو ماننا۔ یعنی وہ نورانی مخلوق ہیں اور سپرد کئے ہوئے کاموں میں مصروف ہیں۔ مقرب فرشتے چار ہیں: جبرئیل، اسرافیل، میکائیل اور عزرائیل علیہم السلام۔ (۳) آسمانی کتابوں کو ماننا یعنی تورات، زبور، انجیل اور قرآن مجید اور تقریباً (سو) صحیفوں کو اللہ تعالیٰ نے اتارا، قرآن مجید کے ذریعے سب کو منسوخ کر دیا۔ اب صرف قرآن مجید پر ہی عمل ہوگا۔ (۴) حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک سارے نبیوں کو ماننا۔ (۵) آخرت یعنی اس دنیا کے بعد والی دنیا کو ماننا۔ (۶) تقدیر کو ماننا۔ (۷) مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کو ماننا۔

توحید

ان میں سے کسی ایک کے نہ ماننے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تنہا پاک وبے عیب ہستی ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اس کا کوئی جسم نہیں، نہ شکل وصورت ہے، وہ ہمیشہ سے ہے، ہمیشہ رہے گا۔ صفات کمالیہ یعنی حیات، علم، سمع، بصر، قدرت، ارادہ، کلام اور خلق وتکوین کو جامع ہے، وہ نہ کسی کا باپ ہے نہ کسی کا بیٹا، مجوسی دو خدا

* مدرس دار العلوم دیوبند

کو مانتے ہیں ایک اچھائی کا اور دوسرا برائی کا؟ عیسائی تین خدا کو مانتے ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں، بعض یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں، مشرکین بے شمار خداؤں کا عقیدہ رکھتے ہیں، اسلام شرک کی ساری قسموں سے بری ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات مخلوق میں نہیں پائی جاتی، چاہے وہ فرشتہ ہو، یا نبی یا ولی یا پیر یا امام ہو اللہ تعالیٰ کسی چیز میں کسی کا محتاج نہیں، وہ نہ کسی چیز میں داخل ہے اور نہ اس میں کوئی چیز داخل ہوسکتی ہے۔ وہ سب عیبوں سے پاک ہے۔

رسالت

اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی ہدایت کے لیے اپنے خاص بندوں کو بھیجا ہے، معجزے، صحیفے اور کتابیں دی ہیں، اسی کو رسالت کہتے ہیں اور اُن خاص بندوں کو رسول"۔ حضرت آدم علیہ السلام پہلے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری اور افضل نبی ہیں، قیامت تک کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا۔ ختم نبوت کا عقیدہ تقریباً سو آیتوں اور دوسو احادیث و آثار سے ثابت ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی صحیح تعداد معلوم نہیں، قرآن پاک میں چھبیس نبیوں کا ذکر ہے۔ موجودہ صحیفے، تورات، زبور اور انجیل اصلی نہیں، محرف ہیں، ان پر عمل جائز نہیں۔ نبیوں پر جو پیغام نازل ہوتا ہے اس کو وحی کہتے ہیں۔ نبی کا خواب، کشف اور الہام (دل میں بات ڈالنا) سب وحی کا درجہ رکھتے ہیں، یہ سب حجت ہیں، الہام غیر نبی کو بھی ہوتا ہے، اگر وہ شریعت کے مطابق ہے تو معتبر اور مخالف ہے تو شیطانی خیال اور وسوسہ ہے، جس کا کوئی اعتبار نہیں۔ انبیائے کرام علیہم السلام نے مکمل دین پہنچا دیا، نبی کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ قیامت تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت ہی واجب اور ذریعہ نجات ہے۔

نبی کی سچائی کو بتانے کے لیے اللہ تعالیٰ ان کے ہاتھوں ایسی چیزیں دکھاتے ہیں جو انسانی طاقت سے باہر ہے اُسے ''معجزہ'' کہا جاتا ہے، جیسے چاند کا دو ٹکڑے ہونا۔ تھوڑے سے پانی سے لشکر کو سیراب کرنا۔ تھوڑا کھانا بہت سوں کے لیے کافی ہونا۔ اگر کوئی خلاف عادت چیز نیک بندوں کی عزت افزائی کے لیے اُن کے ہاتھوں ظاہر ہو تو اسے "کرامت" کہتے ہیں اور فاسق فاجر کے ہاتھوں ظاہر ہو تو اسے استدراج کہتے ہیں اور نبی کے آنے سے پہلے خلاف عادت جو چیزیں ظاہر ہوئیں انھیں ''ارہاصات'' کہتے ہیں، جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت سے پہلے "ابرہہ کی فوج پر کنکر کی بارش۔ انبیائے کرام معصوم ہیں ان سے جان بوجھ کر چھوٹا یا بڑا کوئی گناہ نہیں ہوا۔ جس طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے افضل ہیں؛ اسی طرح حضور کی امت سب سے افضل ہے اور قرآن مجید سب سے افضل و آخری کتاب ہے اور پچھلی کتابوں اور صحیفوں کے لیے ناسخ ہے۔ لوح محفوظ کی ترتیب کے مطابق قرآن مجید میں تیس پارے اور ایک سو چودہ سورتیں، ۷ منزلیں ہیں یہ مکمل قرآن ہے، ناقص

نہیں، یہ اللہ کا کلام اوراس کی صفت ہے،لکھاوٹ، کاغذ اور جلد وغیرہ مخلوق ہیں، کلام نہیں، اللہ کی صفت (کلام) مخلوق نہیں ہے۔

معراج

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جاگنے کی حالت میں جسم کے ساتھ براق پر سوار کر کے حضرت جبرئیل علیہ السلام مکہ سے بیت المقدس لے گئے، پھر وہاں سے آسمانوں پر لے گئے، پھر جہاں تک اللہ نے چاہا لے گئے، اس رات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنت وجہنم کی سیر کرائی گئی، پانچ نمازیں تحفے میں ملیں۔اور صبح سے پہلے واپسی ہوگئی، اس سفر کو ’’معراج واسراء‘‘ کہتے ہیں۔

صحابہ کرامؓ

جولوگ ایمان لاکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت پائی اور ایمان پر باقی رہے اور ایمان ہی کی حالت میں انتقال ہوا وہ صحابی ہیں، تمام صحابہؓ نجوم ہدایت ہیں، معیارِ حق ہیں، ان سے محبت دین وایمان اور ان سے بغض کفر و نفاق ہے، ان پر بدگمانی جائز نہیں۔ان کے اختلافات میں حق و باطل کا تقابل نہیں ؛ بلکہ خطا وصواب (چوک اور درستگی) کا ہے، ان کے اختلافات اور مشاجرات کو اچھالنا بددینی اور گمراہی ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں سب سے افضل حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ پھر صحابہ کرامؓ سب سے افضل ہیں اُن میں سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیقؓ پھر حضرت عمر فاروقؓ، پھر حضرت عثمان غنیؓ، پھر حضرت علیؓ ہیں۔خلافت راشدہ کی ترتیب بھی یہی ہے۔یہی برحق ہے۔صحابہ کرامؓ معصوم تو نہیں، لیکن محفوظ ہیں کہ ان سے اگر گناہ سرزد ہوا تو انھوں نے توبہ ضرور کی اور اللہ تعالیٰ نے انھیں معاف کر دیا، اہل بیت سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات حضرت فاطمہ، حضرت علی، حضرت حسن اور حضرت حسین ہیں۔ یہ ان سب کا خاص لقب ہے۔حق پر ہونے کی پہچان صحابہ کرامؓ کے نقش قدم پر ہونا ہے، جو فرقہ صحابہؓ سے جتنا قریب ہے وہ حق سے اتنا ہی قریب ہے اور جو جتنا دور ہے وہ حق سے اتنا ہی دور ہے۔

تقلید

منصوص اور اجماعی مسائل میں تقلید نہیں کی جاتی، متعارض مسائل میں اور اُن احکام میں جن میں معلوم نہ ہو کہ پہلے کون ہے اور بعد میں کون؟ تو تقلید کی جاتی ہے، اسی طرح غیر منصوص اور نئے مسائل میں تقلید کی جاتی ہے۔ان میں تقلید کے بغیر کوئی چارہ نہیں، خلاصہ یہ کہ دینی مسائل میں غیر مجتہد کو مجتہد کی پیروی کرنا "تقلید" کہلاتا ہے، گویا نااہل، اہل کے واسطے سے اللہ اور اس کے رسول کی باتوں پر عمل کرتا ہے، قرآن وسنت کے اصول

وضوابط کی روشنی میں عملی احکام ومسائل کو نکالنا استنباط واجتہاد کہلاتا ہے، دلائل تین ہیں: قرآن، سنت اوراجماع امت، قیاس ذریعہ استنباط ہے، اصل نہیں۔ مجتہد قانون داں ہوتا ہے قانون ساز نہیں، مسائل کو واضح کرتا ہے، وضع نہیں کرتا، چوتھی صدی ہجری کے بعد چاروں اماموں (امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اورامام احمد بن حنبل رحمہم اللہ) میں سے کسی ایک کی تقلید پر اجماع منعقد ہوگیا ہے۔ اجماع کا مطلب امت کے تمام مجتہد اہل علم کا کسی دینی بات پر متفق ہوجانا ہے؛اس لیے اجماع کی مخالفت جائز نہیں۔

اہل تشیع

شیعہ اہل السنۃ والجماعۃ میں سے نہیں ہیں، یہ ایک الگ جماعت ہے، ان کی بنیادمسئلہ امامت وولایت پر ہے، حضرت علی کی محبت میں غلو کرتے ہیں، شیخین (حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمرؓ) کی فضیلت کا انکار کرتی ہے۔ ام المؤمنین حضرت صدیقہ عائشہؓ پر تہمت لگاتی ہے۔ان میں سے اکثر خارج اسلام ہیں۔

اہل قبلہ

اہل قبلہ شرعی اصطلاح ہے، یعنی وہ لوگ جو دین کی ضروری ساری باتوں کو مانتے ہوں اوران کے اندر کفریہ عقیدہ نہ پایا جاتا ہو، اگرکسی کے اندر کفریہ عقیدہ پایا جائے تو وہ خارج اسلام ہوگا، اس سے شادی بیاہ جائز نہ ہوگا، اس کا ذبیحہ بھی حلال نہ ہوگا، مسلمانوں کواس سے دوررہنا چاہیے! جیسے قادیانی شکیلی وغیرہ۔

اہل کتاب

اہل کتاب اصطلاح ہے؛ آسمانی کتاب اور صحیفے والوں کو اہل کتاب کہتے ہیں۔ یہوداور نصاریٰ کو اہل کتاب کہا جاتا ہے، سکھ اور ہندووغیرہ اہل کتاب نہیں ہیں۔

قرآن پاک کے علاوہ اب کوئی کتاب یا صحیفہ موجود نہیں تورات، زبور، انجیل اور صحیفوں کے جوترجمے ملتے ہیں، وہ اصلی نہیں، ضائع ہونے کے بعد لوگوں کے لکھے ہوئے ہیں۔ پھر بھی جولوگ اپنے کوان کا ماننے والا کہتے ہیں، وہ اہل کتاب ہیں، مثلاً یہود ونصاری، لیکن ان میں وہ جو محض گنتی میں ان کے ساتھ ہیں، ان کے دین پر قائم نہیں، وہ دہریہ ہیں، ان کا ذبیحہ اوران کی عورتوں سے نکاح جائز نہیں اوراحتیاط سب سے بچنے میں ہی ہے، اس پر فتویٰ ہے۔

گمراہ فرقے

شیعہ، قادیانی، شکیلی (سید محمد بن یوسف جون پوری کا) فرقہ مہدویہ، آغا خانی، بوہرہ، چکڑالوی وغیرہ۔

ہندومت

”ہندومت“ زندگی بسر کرنے کا ایک ایسا طریقہ ہے جس میں عقائد واعمال میں آزادی اوراعمال میں مقامی وملکی رسم ورواج کی پابندی پائی جاتی ہے۔ان کے عقائد میں تناسخ (بار بار پیدا ہونا) حلول (خدا کا ہر چیز میں سرایت کرنا) اسی لیے ہندومورتی پوجا کے قائل بھی ہیں، ہر کام کا الگ الگ خدا انھوں نے بنا رکھا ہے۔ ہندوؤں کے روحانی پیشاوؤں کی تاریخ محفوظ نہیں؛ اُن میں سے کسی کے بارے میں نبی ہونے کا اعتقاد رکھنا غلط اور بے دلیل بات ہے؛اس لیے سکوت بہتر ہے۔

سکھ مت

”سکھ مت“ کی بنیاد گرونا نک نے سولہویں صدی عیسوی میں رکھی،ان کے مذہبی تیوہار،شعائر،مقامات اور شخصیات دوسرے مذاہب سے الگ ہیں۔سکھ مت کے اصول وضوابط بعد میں ان کے ماننے والوں نے مرتب کیے ہیں،گرونا نک کو مسلمان کہنا اور سکھوں کی تعلیمات کو اسلامی کہنا بے دلیل بات ہے۔اُن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

علامات قیامت

قیامت کے قریب بہت سی علامتیں ظاہر ہوں گی ان میں سے خلیفہ راشد حضرت مہدی کا آنا اور عراق اور شام کے درمیان دجال کا نکلنا ہے،حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا امت محمدیہ کے خلیفہ ہونے کی حیثیت سے آسمان سے اترنا ہے؛اس لیے کہ انھیں یہودیوں نے قتل نہیں کیا، وہ آسمان پر اٹھالیے گئے، یاجوج و ماجوج کا نکلنا، دابۃ الارض کا نکلنا،سورج کا مغرب سے نکلنا وغیرہ مشہور ہیں۔ان سب پر ایمان لانا ضروری ہے۔

حضرت مہدی کا نام محمد بن عبداللہ ہوگا، یہ حضرت فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد میں سے ہوں گے، مدینہ میں پیدا ہوں گے،مسجد حرام میں رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان بیعت لیں گے،اسی زمانے میں یہودیوں میں سے دجال آئے گا، پھر فجر کی اذان کے بعد نماز سے پہلے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام دمشق کی جامع مسجد کے سفید منارے پر اتریں گے، دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے، پیلے رنگ کی دو چادر پہنے ہوں گے، حضرت مہدی کے پیچھے نماز پڑھیں گے،'باب لد کے قریب رفیق نامی پہاڑی پر دجال کو قتل کریں گے،کل سات سال یا نو سال حضرت مہدی کی حکومت ہوگی، پھر بیت المقدس میں ان کا انتقال ہوگا اور وہیں تدفین ہوگی۔سید محمد بن یوسف جون پوری اور وہ لوگ جنھوں نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا ہے، ہرگز مہدی نہیں ہیں۔ یاجوج و ماجوج حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے یافث کی نسل میں سے ایک خونخوار قوم ہے، دجال کی ہلاکت کے بعد

پوری دنیا ان کی شر انگیزیوں سے تنگ آجائے گی پھر اللہ کے عذاب سے یہ ہلاک ہوجائیں گے، پھر دنیا میں امن وسکون ہوگا۔

آخرت

اس دنیا کے بعد ایک دنیا ہے، جہاں فرماں برداروں کو ہمیشہ جنت میں اور نافرمانوں کو دوزخ میں رہنا ہے، جنت اور دوزخ دونوں موجود ہیں، دونوں کے درمیان ایک جگہ ہے جسے "اعراف" کہتے ہیں، اعراف ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں ہے، وہاں رہنے والوں کو جنت میں بھیج دیا جائے گا۔

آدمی مرنے کے بعد "برزخ" میں رہتا ہے، یہ دنیا اور آخرت کے درمیان ایک عالم ہے، قبر میں رہنے سے مراد اسی عالم میں رہنا ہے، اس میں فرماں بردار کو آرام ملتا ہے اور نافرمانوں کو تکلیف ہوتی ہے، اس کو "عذابِ قبر" کہا جاتا ہے۔ روح کو جسم سے ایک گونہ تعلق رہتا ہے، اس کو "حیات برزخی" کہتے ہیں، قبر (برزخ) میں جانے کے بعد فرشتے رب اور دین کے بارے میں سوال کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت دکھا کر ایمان کے بارے میں پوچھتے ہیں، ان فرشتوں کی جماعت کو "منکر نکیر" کہتے ہیں۔

ساری دنیا کو ختم کرنے کے لیے صور (نرسنگا میں) پھونکا جائے گا، پھر چالیس سال کے بعد دوبارہ صور پھونکا جائے گا پھر سب زندہ ہوکر میدان محشر کی طرف جائیں گے۔

میدانِ محشر ملک شام کی برابر زمین پر قائم ہوگا یہی قیامت ہے، ایک سو بیس صفیں لگیں گی، اسی صف امت محمدیہ کی ہوگی، چالیس صفوں میں دوسرے نبیوں کی امتیں ہوں گی، ہر نبی کے لیے حوض ہوگا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے حوض کوثر ہوگا، صحابہؓ اس سے مؤمنین کو پانی پلائیں گے۔

میدانِ محشر کے گرد جہنم ہوگا، نامۂ اعمال فرماں برداروں کو داہنے ہاتھ میں اور نافرمانوں کو بائیں ہاتھوں میں دیا جائے گا، اعمال تولے جانے کے لیے ترازو ہوگی، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حساب وکتاب کے لیے اللہ سے سفارش کریں گے جب سارے انبیاء انکار کردیں گے اسے "شفاعت کبریٰ" کہتے ہیں اور گنہگار امتیوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شفاعت کریں گے یہ "شفاعت صغریٰ" ہوگی اور دوسرے نیک لوگ اور اللہ مقرب بندے دوسرے صالحین بہت سے گنہگاروں کے لیے سفارش کریں گے۔ معتزلہ، خوارج اور بدعتیوں کو نہ تو حوض کوثر سے پانی ملے گا اور نہ سفارش نصیب ہوگی۔ میدانِ محشر سے جنت تک جانے کے لیے جہنم کے اوپر "پل صراط" بنے گا؛ فرماں برداروں کے لیے کشادہ راستہ ہوگا، اعمال کے اعتبار سے تیز اور آہستہ اس کو پار کریں گے، نافرمانوں کے لیے انتہائی دشوار اور تنگ راستہ ہوگا، اس پر سے وہ جہنم میں گر جائیں گے۔ (بقیہ صفحہ ۲۳ پر)

گوشۂ آزادی

جنگ آزادی میں علماء کی قربانیاں

از: فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب مدظلہ العالی*

آج ہمارا ملک آزاد ہے، اس کے در و بست آزاد ہیں، ہم خود اس کی تقدیر کے مالک ہیں اور اس کے سیاہ و سفید کا فیصلہ کرتے ہیں؛ لیکن ہماری تاریخ میں ایک ایسا دور بھی گذرا ہے، جب ہم خود اپنے وطن میں غلامی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور تھے، ہم اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے کے مجاز نہیں تھے ـــــ ہمیں یہ آزادی کیوں کر حاصل ہوئی ؟ اس آزادی کے جبین و عارض پر کس کس کے خونِ شہادت کی سرخی ہے؟ ضروری ہے کہ ہم اپنی تاریخ کے ان سپوتوں، مادرِ وطن کے لائق فرزندوں اور اس کی عزت و ناموس کے ان پاسبانوں کی یاد تازہ کریں۔

ہندوستان کی آزادی کی تاریخ دنیا کے تمام انقلابات سے اس حیثیت سے جداگانہ ہے کہ ہندوستان کی آزادی کی لڑائی میں مذاہب اور مذہبی قائدین کا نمایاں کردار رہا ہے، بابائے قوم مہاتما گاندھی جی، مفسر قرآن مولانا ابوالکلام آزاد اور سکھ مذہبی رہنما تارا سنگھ یہ سارے لوگ وہ تھے، جو مذہب کی آغوش میں پلے اور ساری زندگی مذہب کے زیر سایہ گذار دی، یہ سب جنگ آزادی کے سالاروں میں تھے۔ اسی پس منظر میں اس وقت ہمارا موضوع ہندوستان کی آزادی میں مسلمان علماء کا حصہ ہے؟

۱۶۰۰ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان میں قدم رکھا اور بتدریج اپنی فوج اور پولیس بھی رکھنی شروع کردی، یہاں تک کہ ہندوستانیوں سے انگریزوں کا پہلا معرکہ ۱۷۵۷ء میں پلاسی کے میدان میں پہلے شہید آزادی سراج الدولہ کے ساتھ ہوا، یہ گویا انگریزوں کی طرف سے اس امر کا اعلان تھا کہ وہ اس ملک میں محض تجارت پر قناعت کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں؛ بلکہ اس ملک کی سیاسی تقدیر بھی اپنے ہاتھ میں لینا چاہتے ہیں۔

انگریزوں سے دوسرا بڑا معرکہ ۱۷۶۴ء میں بکسر کے میدان میں میر قاسم کے ساتھ ہوا اور اس میں بھی میر قاسم کو شکست ہوئی، ادھر جنوب میں فرماں روائے میسور سے انگریزوں کی تین جنگیں ہو چکی تھیں، جن میں دو بار انگریز شکست کھا چکے تھے، ۱۷۹۹ء میں آخری معرکۂ میسور ہوا اور بعض مسلم والیانِ مملکت کی غداری و جفاکاری کے باعث یہ معرکہ بھی ہندوستانیوں کے خلاف رہا، اسی معرکۂ میسور نے ۱۸۰۶ء میں اس تحریک کی

* صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ

صورت اختیار کی جو ''غدر ویلور'' کہلاتا ہے، اور جس کو بعض مؤرخین نے ۱۸۵۷ء کی تحریک حریت کا ریہرسل قرار دیا ہے، بقول جنرل برگس:

''جنوب میں ہمارے اقتدار کو مٹانے کے لئے غیر مطمئن مسلمانوں کی طرف سے یہ پہلی کوشش تھی، اسی طرح آپ کو تاریخ میں یہ واقعہ بھی ملے گا کہ 1857ء کے واقعہ میں سرنگا پٹنم کے مسلمانوں نے سلطان ٹیپو شہید کی قبر پر جا کر مجاہدین کی فتح کے لئے دعاء کی تھی'' (مقالہ: کے، ایم اشرف، انقلاب ۱۸۵۷ء)

جہاں مرشد آباد اور بکسر کی شکست نے بنگال سے نواحِ دہلی تک انگریزوں کو غلبہ عطا کر دیا، وہیں میسور کی فتح نے جنوب میں انگریزوں کے لئے مزاحمت ختم کر دی اور حقیقت یہ ہے کہ خود دہلی میں بھی مغلیہ حکومت کی شمع سحری ۱۶/ستمبر ۱۸۰۳ء ہی کو بجھ گئی تھی، جس دن شہنشاہ عالم نے برطانیہ کی سرپرستی قبول کر لی تھی۔

ہندوستانی کسانوں پر ٹیکسوں کا ناواجبی بوجھ، مقامی صنعتوں کی تباہی و بربادی اور ملک کے اصل باشندوں کے ساتھ تذلیل وتحقیر کے سلوک نے محبانِ وطن کو بے چین و بے قرار کر دیا اور یہ بے قراری آخر ۱۸۵۷ء کی تحریک کی صورت آتش فشاں بن کر پھوٹ پڑی، یہ وہ نشہ تھا جس نے ہندو اور مسلمان، برہمن اور شودر، زمیندار اور جاگیردار اور زارع و کاشتکار سبھوں کو ایک صف میں لا کھڑا کیا، غور کیا جائے اور بہ نظر انصاف دیکھا جائے تو آزادی کے لیے ان تمام اہم معرکوں میں مسلمان پیش پیش تھے اور انہوں نے دشمنان وطن کو خون جگر کے جام بھر بھر کر دیئے کہ ان کی تشنہ کامی دور ہو اور وطن عزیز کی عزت وآبرو سلامت رہ جائے۔

انگریزوں نے ہندوستان میں جو علاقے چھینے تھے، ان میں مراٹھوں، راجپوتانہ اور پنجاب کا علاقہ چھوڑ کر قریب قریب سبھی مسلمانوں ہی کے زیر اقتدار تھے؛ اس لئے مسلمان ہی ان کا زیادہ نشانہ تھے اور فطری طور پر مسلمان ہی ان سے نبرد آزما بھی تھے، سرولیم میور نے جو انٹلی جنس ریکارڈ جمع کیا ہے، اس کے مطابق ''بدذات مسلمانوں کو عبرت دلانے کے لئے، جھجر، بلب گڑھ، فرخ نگر کے نوابوں اور 24 شہزادوں کو پھانسی پر لٹکایا گیا'' (سرولیم میور: انڈین ملٹری انٹلیجنس ریکارڈ ۱/ ۳۷۲، ۱۹۰۲ء)، مسلمانوں کی جائیدادیں ضبط کر لی گئیں یا تباہ کر دی گئیں اور مسلمانوں سے ان کی غیر منقولہ جائداد کا 35٪ بہ طور تعزیری جرمانہ وصول کیا گیا، جب کہ ہندوؤں کو 10٪ فیصد کے ساتھ چھوڑ دیا گیا، اور جب دوبارہ دہلی فتح ہوا تو ہندوؤں کو تو چند ہی ماہ میں واپسی کی اجازت مل گئی؛ لیکن مسلمان ۱۸۵۹ء سے پہلے نہ لوٹ سکے، ریکس کا بیان ہے: ''مسلمان باغی کا مترادف کلمہ تھا''۔ (انقلاب ۱۸۵۷ء)

۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بارے میں پنجاب کی انگریزی سرکار نے شروع ہی سے اعلان کر دیا تھا کہ بغاوت کا آغاز دراصل ہندوستانیوں اور مسلمانوں کی طرف سے ہوا، مسلمانوں کو بہ قول کیو براؤن بغاوت کا

محرک سمجھا جاتا تھا اور ہندوؤں کو ان کا آلۂ کار، سندر بن کے انگریز کمشنر نے باضابطہ گورنمنٹ گزٹ میں اعلان کیا کہ جو ملازمتیں خالی ہوتی ہیں، ان پر سوائے ہندوؤں کے کسی کا تقرر نہ کیا جائے؛ (انقلاب ۱۸۵۷ء،ص:۳۵) اس لیے یہ ایک حقیقت ہے کہ ہندوستان کی جنگ آزادی میں مسلمانوں کا سب سے نمایاں حصہ رہا ہے اور انہوں نے اس میں پیش قدمی بھی کی ہے، اور چونکہ ہر دور میں مسلمان ہر نئے قدم کے لیے علماء کی طرف دیکھتے رہے ہیں اور ان کے اشارۂ انگشت میں اپنے لیے دین و دنیا کی بھلائی تصور کی ہے، اس لیے ان کی ہر تحریک کا رشتہ علماء ہی سے جا کر جڑتا ہے۔

۱۸۰۶ء میں حالانکہ دہلی میں علامتی طور پر مغلیہ بادشاہت کا ایک بے جان ڈھانچہ موجود تھا، پھر بھی شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ دیا تھا، یہ گویا بالواسطہ انگریزوں کے خلاف جنگ کی ترغیب ہی تھی، شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اپنی ذات سے ایک انجمن اور دلی میں طالبان علوم اسلامی کا مرجع و ماویٰ تھے، شاہ محمد اسحاق آپ کے خلف ارشد تھے، شاہ محمد اسحاقؒ نے ۱۸۴۴ء میں مکہ مکرمہ ہجرت کی، آپ کے ہجرت کرنے کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی نے آپ کی تمام املاک ضبط کرلیں، اس ضبطیٔ جائداد سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت بھی کوئی اندرونی تحریک علماء کی انگریزوں کے خلاف چل رہی تھی اور خفیہ طور پر اپنا کام کر رہی تھی۔

شاہ عبدالعزیز ہی نے سید احمد شہید کو نواب امیر علی خاں کی فوج میں عسکری تربیت کے لیے ۱۸۱۰ء میں روانہ کیا تھا، جب نواب نے انگریزوں سے معاہدہ کرلیا تو سید صاحب واپس آگئے، پھر سید احمد شہید کی تحریک شروع ہوئی، یہ تحریک بظاہر رنجیت سنگھ والیٔ پنجاب کے ظلم و بربریت کے خلاف نظر آتی ہے؛ لیکن درحقیقت یہ سید صاحب کا پہلا ہدف تھا، اصل ہدف انگریز ہی تھے اور غالباً سید صاحب کا خیال تھا کہ رنجیت سنگھ کو شکست دینے کے بعد سرحد کا علاقہ وہ موزوں تر علاقہ ہوسکتا ہے، جہاں سے انگریزوں پر وار کرنا مناسب ہوگا، اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ جب سید صاحب نے سرحد کی طرف اپنے جاں نثاروں کے ساتھ کوچ کیا، تو گوالیار بھی تشریف لے گئے، جہاں مہاراجہ گوالیار نے آپ کا پرتپاک استقبال کیا اور اعزاز و اکرام کے ساتھ واپس کیا، آپ نے سرحد سے مہاراجہ گوالیار اور اس کے معتمد خاص غلام حیدر کو خط لکھا اور اس میں انگریزوں کی مخالفت کی ترغیب دی آپ کے خط کا پہلا فقرہ ہی اس طرح ہے:

بیگانگان بعید الوطن ملاک زمین و زماں
گردیدہ و تاجران متاع فروش بہ پایۂ سلطنت

(نقوش حیات: ۲/ ۱۳، علماء ہند کا شاندار ماضی: ص: ۱۷۴)

آپ نے اپنے خط میں یہ بھی یقین دہانی کرائی کہ جب ملک بیگانے دشمنوں سے خالی ہوجائے گا تو سیادت وریاست ارباب حکومت کو مبارک ہو، مجھے اس سے کوئی غرض نہ ہوگی، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب کے ذہن میں انگریزوں کے خلاف جہاد کا تصور موجود تھا، گو آپ رنجیت سنگھ سے نمٹنے کو اس وقت زیادہ بڑی ضرورت تصور کرتے تھے؛ اس لیے معرکۂ بالاکوٹ کے بعد ہمیں کلکتہ سے دہلی تک ہر جگہ انگریزوں کے خلاف علم بغاوت سید صاحب کے خلفاء ومتوسلین کے ہاتھوں میں نظر آتا ہے، خود دکن میں ۱۸۳۸ء میں اسی حلقہ کے مولانا ولایت علی اور مولانا سلیم تشریف لائے اور نظام دکن کے بھائی مبارز الدولہ نے ایک طاقتور خفیہ تنظیم قائم کی، جو تختۂ حکومت پلٹنا چاہتی تھی، بالآخر ۱۸۳۹ء میں مبارز الدولہ کی اس تحریک کا برطانوی ریذیڈنٹ نے پتہ چلایا، قلعۂ گولکنڈہ میں قید کئے گئے اور ۱۸۵۱ء میں راہی بہ بقاء ہوئے۔ (انقلاب 1857، ۱/ ۱۰۸)

۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی میں جب جانبازانِ حریت میرٹھ سے دہلی آئے اور ۱۱/ جون ۱۸۵۷ء کو علماء سے اس جنگ کی بابت استفسار کیا تو جن علماء نے فتویٔ جہاد پر دستخط کیا، ان میں اکثر وہی علماء تھے، جو شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے حلقہ سے تعلق رکھتے تھے، اس سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۸۵۷ء سے پہلے ہی سے علماء انگریزوں کے خلاف مہم جوئی اور منصوبہ بندی میں مصروف تھے، ہندوستان کی آزادی کی باضابطہ لڑائی مئی ۱۸۵۷ء میں شروع ہوتی ہے، جب انگریزوں کے خلاف ہندوستانیوں کی پہلی مہم ناکامی سے دوچار ہوئی ہے، اس ناکامی کے بعد ایک ایسی قیامت آئی کہ پوری جنگ آزادی میں اس کی مثال نہیں ملتی، مغرب کے علمبرداران تہذیب اور مصلحین درس انسانیت نے دہلی میں برسرراہ جگہ جگہ پھانسی کے پھندے نصب کردیئے، جو شبانہ روز ہندوستانیوں کے سر سے آراستہ کئے جاتے، میرٹھ سے دہلی تک سینکڑوں درخت تھے، جو تختۂ دار کا کام کرتے تھے، معززین ورؤسا کو توپ کے دہانے پر باندھ دیا جاتا، توپ داغی جاتی اور کاغذ کے ٹکڑوں کی طرح گوشت کی بوٹیاں بکھر جاتیں، ان شہداء میں علماء سینکڑوں کی تعداد میں تھے، جن میں بہتوں کے نام تاریخ میں محفوظ ہیں اور ان سے زیادہ وہ ہیں، جو تاریخ کے دفینوں میں ہیں۔

جب یہ آتش انتقام کچھ ٹھنڈی ہوئی اور ہندوستانیوں کو سانس لینے کا موقع ملا تو پھر جذبہ آزادی نے انگڑائی لی، اس وقت ملک کے طول وعرض میں ایک سناٹا اور سکوت تھا، صرف سید احمد شہید کی جماعت کے بچے کچھے لوگ تھے، جن کے سینے اب بھی جذبۂ جہاد سے معمور تھے، یہ حضرات زیادہ تر 'پٹنہ' کے محلہ 'صادق پور' سے تعلق رکھتے تھے اور سرحد کی طرف انگریزوں اور ان کے وفاداروں سے نبرد آزما تھے، مولانا ولایت علی صادق پوری نے ہزارہ میں ایک آزاد مملکت کی بنیاد رکھ دی تھی، مولانا ولایت علی، مولانا عنایت علی اور مولانا محمد جعفر تھانیسری و

غیرہ اس مہم میں پیش پیش تھے، چنانچہ انگریزوں کے خلاف ''انبالہ سازش کیس ۱۸۶۳ء'' میں مولانا یحیٰ علی عظیم آبادی اور مولانا محمد جعفر تھانیسری کے لیے سزائے موت اور مولانا عبدالرحیم عظیم آبادی کے لیے ''حبس دوام بہ عبور دریائے شور'' کا فیصلہ ہوا اور ان سبھوں کی جائداد بھی ضبط ہوگئی، بعد کو مولانا محمد یحیٰ اور مولانا محمد جعفر کی سزا بھی ''حبس دوام'' سے تبدیل ہوگئی، اس کے بعد اس تحریک کی باگ ڈور مولانا احمد اللہ عظیم آبادی نے اپنے ہاتھوں میں لی، ان پر بھی مقدمہ چلایا گیا اور فروری ۱۸۶۵ء میں ان کے لیے ''پھانسی مع ضبطیٔ جائداد'' کا فیصلہ ہوا، مگر بعد کو ان کی سزائے موت بھی عمر قید میں تبدیل ہوگئی اور جون ۱۸۶۵ء کو کالا پانی بھیج دیئے گئے، مولانا ولایت علی کے ایک خلیفہ مولانا عبدالرحیم لکھنوی نے مالدہ ضلع کے ایک گاؤں میں جہاد کی ترغیب کا ایک مرکز قائم کیا، وہ یہاں سے سرحد اور پٹنہ کو امداد بھی بھیجا کرتے تھے، وہ بھی گرفتار کر لئے گئے، اس کے بعد ان کے صاحبزادہ مولانا امیر الدین نے یہ ذمہ داری سنبھالی، ان کے خلاف بھی ''حبس دوام مع ضبطیٔ جائداد'' کا فیصلہ ہوا اور مارچ ۱۸۷۲ء میں وہ کالا پانی بھیج دیئے گئے۔

عظیم آباد ہی میں دوسرا مقدمۂ بغاوت ۱۸۷۱ء میں قائم ہوا، اس مقدمہ کے ملزمین میں مولانا مبارک علی اور مولانا تبارک علی تھے، مولانا تبارک علی پر انگریزوں کے خلاف جنگ میں حصہ لینے اور ایک کمان کی سالاری کا الزام تھا، دونوں کے خلاف حبس دوام مع ضبطیٔ جائداد کا فیصلہ ہوا، مولانا مبارک علی کا تو پہلے ہی انتقال ہو گیا اور مولانا تبارک علی کالا پانی بھیج دیئے گئے۔ اسی دور کے مجاہدین آزادی میں مفتی عنایت احمد کاکورویؒ اور مفتی صدر الدینؒ آزردہ تھے، جو بڑے پایہ کے علماء میں تھے، عربی گرامر پر مشہور کتاب ''علم الصیغہ'' مولانا نے جزیرۂ انڈمان میں اسارت کے دوران ہی تالیف فرمائی تھی، معروف محدث مولانا رشید احمد گنگوہیؒ بھی چھ ماہ جیل میں رہے، مولانا فضل حق خیر آبادیؒ جو اپنے وقت کے امام المعقولات تھے، فتویٰ جہاد کے جرم میں ۱۸۵۹ء میں گرفتار کئے گئے، مقدمہ چلا، جج آپ کے علمی مقام سے واقف تھا اور چاہتا تھا کہ آپ اس فتویٰ سے انکار کر جائیں؛ لیکن مولانا اس کے لیے آمادہ نہیں ہوئے، آخر سزا ہوئی اور کالا پانی بھیجے گئے، ان سے غلاظتوں کے اٹھانے کا کام لیا جاتا، وہیں پیوند خاک ہوئے، نواب مصطفی خاں شیفتہؒ کی شہرت ایک شاعر کی حیثیت سے ہے، مگر اصل میں وہ بلند پایہ عالم بھی تھے، اور شیخ عبداللہ سراج حنفی مکیؒ اور شیخ محمد عابد سندھیؒ جیسے اہل علم سے شرف تلمذ رکھتے تھے، یہ بھی سات سال قید فرنگ میں رہے، اسی خونچکاں دور میں دہلی سے مسلمانوں کی ایک جمعیت جمنا پار لے جائی گئی اور انہیں لائن میں کھڑا کر کے گولی سے اڑا دیا گیا، ان شہداء حریت میں مولانا فضل حق خیر آبادیؒ کے رفیق مولانا امام بخش صہبائیؒ بھی تھے۔

مولانا رضی اللہ بدایونیؒ عربی و فارسی کے بڑے ماہر شمار کئے جاتے تھے، گرفتار ہوئے اور خود عدالت میں اپنے جرم کا اقرار کیا، انگریز کلکٹر خود بھی چاہتا تھا کہ مولوی صاحب جرم سے انکار کردیں، مگر فرمانے لگے کہ میں تمہاری وجہ سے ایمان اور آخرت خراب کرلوں؟ اس کے بعد گولی سے اڑا دیئے گئے، اسی دور میں مولانا محمد حسین (رائے بریلی)، مولانا ریاض الحق (بنگال)، مولوی علاء الدین (حیدرآباد) اور مولوی علاء الدین (پٹنہ) بھی نذر زنداں ہوئے، آخر الذکر نے تختۂ دار کو زینت بخشی اور باقی نے کالے پانی ہی میں جان جاں آفریں کے سپرد کردی، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے شاملی میں انگریزی فوج پر حملہ کیا اور وارنٹ کے باوجود گرفتار نہ ہوسکے، شیخ المشائخ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ پر بھی وارنٹ تھا؛ لیکن مکہ ہجرت کر گئے، یہی حال مشہور عالم مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کا ہوا۔

اس طرح انیسویں صدی کے وسط سے اس کے مکمل ہونے تک حقیقت یہ ہے کہ جنگ آزادی کی رکاب مسلمان علماء ہی کے ہاتھوں رہی، اور انہی کے خون ولہو سے اس مہم میں حرارت وگرمی پیدا ہوتی رہی، اس دور میں اس کا بنیادی مرکز ''سرحد'' کا علاقہ اور صادق پور (پٹنہ) کے علماء رہے، یہ آزادی کا سب سے خونچکاں اور برطانوی بربریت ووحشت کے عروج کا دور رہا ہے، ۱۹۱۲ء میں مولانا حسرت موہانی نے انگریزی مال کے بائیکاٹ کے لیے پورے ملک میں تحریک چلائی، اس پر علماء کے فتاویٰ حاصل کئے، مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی نے اس تحریک میں نہایت سرگرم حصہ لیا اور اس کو کامیابی سے ہمکنار کیا۔

بیسویں صدی کے ایک دہے کے بعد یعنی ۱۹۱۵ء میں علماء کے زیر سایہ وہ عظیم الشان تحریک شروع ہوئی جس کو ''ریشمی رومال تحریک'' کہا جاتا ہے، اور جو بہ فیصلۂ تقدیر ناکام ہوگئی، اس کے ذریعہ کابل کی طرف سے ہندوستان پر حملہ اور ملک میں بہ یک وقت چہار طرفہ بغاوت کا منصوبہ تھا، اسی دور میں جلاوطن حکومت قائم ہوئی، جس کے صدر راجہ مہندر پرتاب تھے، مولانا برکت اللہؒ وزیر اعظم، مولانا عبید اللہ سندھیؒ وزیر داخلہ اور مولانا بشیرؒ وزیر دفاع تھے، کابل میں خدائی فوج قائم ہوئی، جس میں مولانا سیف الرحمنؒ اور مولانا منصور انصاریؒ وغیرہ شامل تھے، اس تحریک کے سرخیل اور دل ودماغ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ تھے، ''ریشمی رومال تحریک'' کے افشاء کے بعد مولانا موصوف حجاز سے گرفتار ہوئے اور مالٹا میں پانچ سال اسیر رہے، اس دور میں دارالعلوم دیوبند نے قیادت وسیادت کا کردار انجام دیا اور اس کے درجنوں فرزندوں نے آزادی کی اس تحریک میں روح پھونک دی، مولانا عزیز گل پشاوریؒ، مولانا آزاد سبحانیؒ، مولانا احمد اللہ پانی پتیؒ، مولانا فضل ربی پشاوریؒ، مولانا محمد احمد چکوالیؒ، مولانا محمد مبین دیوبندیؒ، مرحوم محمد ابراہیم راندمیری وغیرہ مجاہدین آزادی اسی مرکز علم ودین سے

تعلق رکھتے تھے، اس کے علاوہ ریشمی رومال تحریک میں مولانا احمد علی لاہوریؒ، مولانا سید ہادی حسنؒ، مولانا ظہور محمد خاںؒ، مولانا غلام محمد دین پوریؒ، مولانا ابوالحسن تاج محمودؒ (سکھر)، مولانا محمد صادقؒ اور مولانا جلیل احمد کیرانویؒ وغیرہ اس زمانہ کے مشاہیر مجاہدین آزادی میں تھے، جن کے نام تک سے آج نئی نسل کے کان نا آشنا ہیں۔

ہندوستان کی جدو جہد آزادی میں ایک اہم کردار 'خلافت تحریک' کا بھی ہے، جس نے ملک کو شمال سے جنوب اور مشرق سے مغرب تک انگریزوں کے خلاف ''بنیان مرصوص'' بنادیا تھا اور ہندو، مسلم اتحاد کی لہر پیدا کردی تھی، یہ تحریک گو ۱۹۲۰ء میں شروع ہوئی اور ۱۹۴۲ء میں ختم ہوگئی؛ لیکن اس نے ہندوستانیوں کے دل سے حکمرانوں کی ہیبت اور فرمانرواؤں کا خوف نکال کر رکھ دیا اور نیا عزم وحوصلہ اور نئی ہمت وامنگ عطا کی، خود گاندھی جی کو اعتراف تھا کہ خلافت ہی کی تحریک ہے، جس نے قوم کو بیداری عطا کی ہے، اس تحریک کے اصل مؤسس علماء ہی تھے، جن میں مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کا نام سرفہرست ہے، جمعیۃ علماء ہند کی بنیاد ہی خاص اس لیے پڑی کہ وہ مسلمانوں کو شمع آزادی کا پروانہ بنائے رکھے، اور اس مقصد کے لیے جینا مرنا سکھائے، جمعیۃ علماء کے اولین محرک مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ تھے، جو شیخ الہند مولانا محمود حسن سے بڑا تعلق رکھتے تھے، اور مولانا ابوالکلام آزاد اہم امور پر ان سے مشورہ لیا کرتے تھے، مولانا نے سب سے پہلے بہار میں ''انجمن علماء بہار'' قائم کی اور خلافت کمیٹی کے پہلے اجلاس منعقدہ بمبئی ۱۹۲۰ء میں جمعیۃ کے قیام کی تحریک کی۔

۱۹۲۰ میں حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ نے ترک موالات سے متعلق فتویٰ مرتب کیا، جس پر وقت کے پانچ سو ممتاز علماء نے اپنے تصدیقی دستخط ثبت کئے، ان میں جہاں ایک طرف دیوبند کے مفتی کفایت اللہؒ اور مولانا احمد سعید کے دستخط تھے، وہیں ندوہ سے علامہ سید سلیمان ندویؒ کے، اور جہاں غیر مقلد حضرات کی طرف سے مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ، مولانا عبدالحکیم گیاویؒ مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹیؒ اور مولانا داؤد غزنویؒ نے اس فتویٰ کی تائید کی، وہیں بریلوی مکتبۂ فکر سے مولانا فاخر الہ آبادیؒ اور مولانا عبدالماجد بدایونیؒ نے حق نمائندگی ادا کیا۔

تحریک ترک موالات ہی کے موقع سے علامہ شبلیؒ نے وہ مشہور نظم کہی، جس میں انگریزوں کو چیلنج بھی تھا اور ہندوستان کے حال زار پر غم اور افسوس کا اظہار بھی کہ:

کوئی پوچھے کہ اے تہذیب انسانی کے استادو!
یہ ظلم آرائیاں تاکے؟ یہ حشر انگیزیاں کب تک؟
کہاں تک لوگے ہم سے انتقام فتح ایوبی؟
دکھاؤگے ہمیں جنگ صلیبی کا نشاں کب تک؟

گاندھی جی کی تحریک نمک سازی اور کھدر پوشی کو بھی علماء نے مذہبی رنگ عطا کیا اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ

نے لاہور کے اجتماع میں ۱۹۳۱ء میں اس حدیث سے اس پر استدلال کیا، جس میں گھاس نمک اور پانی کو مباح الاصل قرار دیا گیا ہے۔

۱۹۴۶ء میں جو ہندوستان چھوڑ دو تحریک شروع ہوئی، کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ اس کے اصل محرک مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ تھے، ان ہی کی تجویز پر کانگریس اور جمعیۃ العلماء نے اس تجویز کو منظور کیا، جس کے نتیجہ میں مولانا گرفتار ہوئے اور بہت کچھ ابتلاؤں سے گذرے، یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مکمل آزادی کا نام پہلی دفعہ مولانا محمد علی جوہر ہی کی زبان پر آیا، مولانا نے گول میز کانفرنس لندن میں پوری قوت اور مجاہدانہ جوش کے ساتھ فرمایا: ''میں غلام ہندوستان میں واپس نہیں جاؤں گا، میں یہاں سے اس وقت لوٹوں گا، جب میرے ہاتھ میں ہندوستان کی آزادی کا پروانہ ہوگا، تم مجھے آزادی کا پروانہ نہیں دے سکتے تو میرے لیے اس سرزمین میں ایک قبر کی جگہ تو دینی ہی پڑے گی''

یہ حقیقت بھی آج کم لوگوں کو معلوم ہوگی کہ 'کانگریس پارٹی' جس کو جنگ آزادی کا ہیرو سمجھا جاتا ہے، اس کی تاسیس اس جنگ آزادی کے لیے عمل میں نہیں آئی تھی؛ بلکہ خود ایک انگریز کی ایماء پر 7رد سمبر ۱۸۸۴ء کو تھیوسافیکل سوسائٹی کے اجلاس پونا میں کانگریس کے قیام کی تجویز منظور ہوئی، جسے وائسرائے ہند نے منظوری دی اور دسمبر ۱۸۸۵ء میں اس کا پہلا اجلاس منعقد ہوا، اور اس میں جو اہم ترین تجویز منظور ہوئی، وہ یہ تھی کہ ہندوستان اور برطانیہ کے درمیان اتحاد اور یگانگت پیدا کی جائے۔

تحریک آزادی کے آخری دور میں جن لوگوں نے قوم و ملک کی قیادت کی ہے اور جذبۂ حریت کے شرر کو شعلہ و آتش بنایا ہے، ان میں حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولانا محمد میاں، مولانا منت اللہ رحمانی، مولانا عبدالصمد رحمانی، مولانا سید فخر الدین احمد، رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی، مولانا احمد سعید دہلوی، مولانا عبدالحلیم صدیقی، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوری، مولانا محمدُ اللہ غزنوی اور مولانا ثناء اللہ امرتسری کے نام آب زر سے لکھنے کے لائق ہیں، اور اس عہد کی ''جمعیۃ علماء ہند'' کو بھی یاد رکھا جائے گا، جس نے کانگریس کے دوش بدوش اور قدم بہ قدم اس جدوجہد میں حصہ لیا، اور ملک وقوم سے وفاداری کا حق ادا کیا۔

شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ کو انگریزوں سے ایسی نفرت تھی کہ فرماتے تھے:

''انگریزوں سے جنگ کرنا جزو ایمان ہے، میں اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھ سکتا، جب تک انگریز یہاں سے چلا نہ جائے''

مولانا حسین احمد مدنیؒ فرمایا کرتے تھے:

''میرا بس ایک ہی دشمن ہے اور وہ ہے انگریز، اگر کوئی کتا بھی کسی انگریز بہادر کو کاٹ کھائے یا اس پر بھونک دے، تو مجھے اس لیے خوشی ہوگی کہ اس کا اور میرا مشن ایک ہے، میں مسلمانوں کے ساتھ دوسرے مذہب کے پریمیوں کو بھی تلقین کرتا ہوں کہ اس ملک میں مذہب کی خیر صرف اس صورت میں ہے کہ انگریزوں کو ہم نکال باہر کریں''

مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کی انگریزوں سے نفرت کا حال یہ تھا کہ کہا کرتے تھے:

''میں تو اس چیونٹی کو بھی شکر کھلاؤں گا، جو کسی صاحب بہادر انگریز کو ڈس لے، انگریز دشمنی میری سانس کے ساتھ ہے، دین کے دیگر فرائض کی طرح انگریز سے جنگ کرنا ایمان اور ان کی فوجی طاقتوں سے ڈرنا کفر ہے''

اب اخیر میں اس تحریک آزادی کے گل سرسبد مولانا ابوالکلام آزادؒ کا ذکر کرنا چاہوں گا، جس نے زندگی کے اکثر حصے قید و اسارت کی دیواروں میں بسر کئے، رفیقۂ حیات کے جنازہ میں شرکت سے بھی محروم رہا، اور جس نے ''الہلال والبلاغ'' کے ذریعہ ہندوستان کے تن مردہ میں ایک نئی روح پھونک دی اور نئی زندگی پیدا کی، جس کی رات کی کروٹیں اس مقصد کے لیے بے سکون تھیں اور جس کی نم آنکھیں ہر صبح و شام آزادی وطن کے ترانے گاتی تھیں اور دلوں کے ساز کو چھیڑتی تھیں، اور کانگریس کے اونچے لیڈروں میں جس نے سب سے آخر آخر کراہتِ خاطر کے ساتھ ملک کی تقسیم کو گوارا کیا تھا، ڈاکٹر تارا چند مولانا آزاد کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اس مقصد کے لیے انہوں نے اپنا سب کچھ قربان کر دیا، اپنی پوری قوت، اپنی بے مثال خطابت، اپنے متوازن نظریئے، اپنے عاقلانہ مشورے، اپنی وسیع النظر حب الوطنی، اپنا ابلتا ہوا جوش، اپنا احساس برتری، اپنی مقصدیت، یہ سب انہوں نے ہندوستان کی آزادی کی بھینٹ چڑھا دیا''

حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر تارا چند کا یہ اعتراف ایک ایسی حقیقت کا اعتراف ہے، جو مہر نیم روز سے بھی زیادہ روشن اور تابناک ہے!

اور ہندوستان کی تاریخ آزادی ہمیشہ اس مرد مجاہد کو بھی یاد رکھے گی، جس نے آزادی کی اس جدوجہد میں بھرپور شرکت کی اور کانگریس ورکنگ کمیٹی کے آخری اجلاس میں بھی، جو چھ سو ارکان پر مشتمل تھی، تقسیم ملک کی تجویز کی شدت سے مخالفت کی؛ لیکن ایک آواز بھی اس کی تائید میں نہ اٹھ سکی، میری مراد مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ سے ہے، افسوس کہ ان شہداء قوم اور جاں نثاران ارض وطن کا نام تک آج زبان پر نہیں آتا؛ لیکن یہ سعید روحیں آج کے ہندوستان سے ضرور کہتی ہوں گی کہ:

تیرے نکھرے عارضوں میں، تیرے سنورے گیسوؤں میں
میری صبح کی چمک ہے ، میرے شام کی سیاہی
تجھے گر یقین نہ آئے تو میں آئینہ دیکھا دوں
تیرا حسن دے رہاہے میرے عشق کی گواہی

سلامتی ہوان مجاہدین آزادی پر،ان کی روحوں پر،ان کی خواب گاہوں پر کہ ان کی شہادت کے خون ولہو کی سرخی نے آج ان کے وطن کو لالہ زار بنا دیا ہے،غلامی کی زنجیریں کٹ چکی ہیں،غیر ملکی بادشاہت کے آہنی لباس تارتار ہو چکے ہیں، ان میں کچھ نے اپنی آنکھوں کو اس آزادی سے ٹھنڈا کیا ہے، کچھ حسرتوں کے ساتھ خدا کے ہاں پہلے ہی چلے گئے، کچھ کے نام تاریخ کے صفحات نے یادرکھے ہیں اور کتنے ہی ہیں کہ خدا کے سوا ان کی قربانیوں،فداکاریوں اور جانبازیوں کو کوئی نہیں جانتا۔

ہم فرزندان وطن کا فرض ہے کہ آزادی کے اس چراغ کو روشن رکھنے کی کوشش کریں، ہم ذات پات، مذہب و برادری اور زبان کی سطح سے اوپر اٹھ کر ایک سچے اور ایماندار ہندوستانی ہونے کا ثبوت دیں، یہاں اقلیتیں خود کو محفوظ باور کریں، اکثریت اور اقلیت کے لیے انصاف کا ایک ہی پیمانہ ہو، وہ مزدور کہ بلند و بالا عمارتیں،سرسبز وشاداب باغات،خوبصورت نہریں اور صاف وشفاف سڑکیں سب انہیں کے پسینوں کی رہین منت ہیں،ان کو ان کا حق ملے،اور ہر گھر میں مسرت وخوشحالی اور انصاف کا چراغ جل سکے،وہ آزادی جو دلوں کو سکون دے، جو امتیاز وتفریق کی دیواروں کو ڈھا دے، جو بلند و بالا عمارت میں رہنے والوں میں بھی غریبوں کی جھونپڑیوں سے محبت پیدا کر دے، جہاں مذہب نفرت کی بنیاد نہ ہو؛ بلکہ مختلف مذاہب کی رنگارنگی اس کو گلدستہ کا مصداق بنادے کہ:

گل ہائے رنگارنگ سے ہے زینت چمن

گوشۂ آزادی

ہم نے ہی لہو دے کر گلشن کو سنوارا ہے

از: مولانا مجیب الرحمٰن تمیم قاسمی*

ہندوستان کی تاریخ محض بادشاہوں کے عروج وزوال کی داستان نہیں، بلکہ تہذیبوں کے ملاپ، قربانیوں کے استعارے، اور ایمان وایثار کے جذبوں کا ایسا تذکرہ ہے جو اہلِ بصیرت کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتا ہے۔ برصغیر کے چپے چپے پر اگر کسی قوم کے قدموں کے نشان آج بھی نمایاں ہیں، تو وہ مسلمانانِ ہند کے ہیں، جنھوں نے نہ صرف اس سرزمین کو عدل وانصاف سے سنوارا، بلکہ اپنی جان ومال اور خون جگر دے کر اس کے دامن کو آزادی کی روشنی سے بھی معمور کیا۔ ؎

اے آبِ رودِ گنگا ! وہ دن یاد ہے تجھ کو
اُترا ترے کنارے جب کارواں ہمارا

قرون وسطیٰ میں جب اسلام کی خوشبو عرب وعجم سے ہوتی ہوئی ہند کی سرزمین پر پہنچی، تو مسلمانوں نے اس ملک کو محض فتح کی سرزمین نہیں سمجھا، بلکہ اسے اپنا وطن، اپنی شناخت اور اپنی تہذیب کا مرکز بنایا۔ غلام، خلجی، تغلق، لودھی، سوری اور مغل سلطنتوں نے صدیوں تک یہاں حکومت کی، لیکن ان کی حکمرانی صرف تلوار کی طاقت سے نہیں بلکہ علم، عدل، تعمیر وترقی اور باہمی احترام کی بنیاد پر قائم تھی۔ مسلمانوں نے ہندوستان کو ایک ایسا گہوارہ عطا کیا جہاں ہندو مسلم اتحاد کی مثالیں دی جاتی تھیں، جہاں صوفیاء کے آستانے اور علمائے حق کے مدارس چراغ علم وعرفان روشن کرتے تھے۔ لیکن جب استعمار کا سیاہ سایہ اس گلستان پر چھایا، جب سفید فام تاجروں کے قافلے درندہ صفت حکمرانوں میں تبدیل ہوئے، تو یہی مسلمان جنھوں نے اس ملک کو اپنا خون دیا تھا، سب سے پہلے میدانِ مزاحمت میں اترے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کا تجارتی جال جب استبدادی زنجیروں میں بدل گیا، اور جب برطانوی سامراج نے ہندوستان کو غلامی کی دلدل میں دھکیلنا شروع کیا، تو سب سے پہلے مسلمانوں کے خیمے ہی اس آندھی کی زد میں آئے۔ ان کی سلطنتیں چھینی گئیں، ان کے ادارے مسمار کیے گئے، ان کے مدارس بند کیے گئے، ان کی مساجد وخانقاہیں بے حرمت ہوئیں، اور ان کے علماء تختہ دار پر لٹکائے گئے۔ اس خونچکاں دور

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

میں جب ہر طرف خاموشی، خوف اور غلامی کا عالم تھا، تو مسلمان ہی تھے جنہوں نے شمشیر بکف ہو کر بانگ دہل کہا: ہندوستان ہمارا ہے، یہ آزادی ہمارا حق ہے!

1857ء کی پہلی جنگ آزادی اس جذبے کی پہلی بڑی مثال تھی، جس میں دہلی سے لے کر لکھنؤ، کانپور، جھانسی، بنارس اور شاملی تک خون کی ندیاں بہ گئیں، لیکن قربانی کا چراغ بجھنے نہ پایا۔ بہادر شاہ ظفر، جنرل بخت خاں، ٹیپو سلطان، نواب سراج الدولہ، بیگم حضرت محل، مولوی باقر، شاہ عبدالعزیز، شاہ اسماعیل شہید، سید احمد شہید، قاسم نانوتوی، شیخ الہند، شیخ الاسلام، ابوالکلام آزاد، محمد علی جوہر، شوکت علی، عطاء اللہ شاہ بخاری، عبدالباری فرنگی محلی رحمہم اللہ یہ سب محض تاریخ کے نام نہیں، بلکہ وہ ستارے ہیں جنہوں نے غلامی کی شبِ تاریک میں روشنی کی کرنیں پیدا کیں۔ میدانِ جنگ سے لے کر صحافت کے اخبارات تک، مدرسے کے حجرے سے لے کر جیل کی کوٹھری تک، اور فتوے کے منبر سے لے کر شہادت کے تختے تک مسلمانوں نے ہر محاذ پر اپنا حصہ ادا کیا۔ انگریزوں کی گولیوں نے قاسم نانوتوی کے ماتھے کو چیر دیا، مالٹا کی سرد کال کوٹھریاں شیخ الہند کے قدم چومتی رہیں، عطاء اللہ شاہ بخاری کے جذبہ حریت نے جیلوں کی دیواریں لرزا دیں، حضرت مدنی نے عمر بھر غلامی کے خلاف خطابت و قیادت کا حق ادا کیا، اور شاہ اسماعیل شہید و سید احمد شہید نے بالاکوٹ کی وادی کو خون سے رنگین کر دیا۔ مسلمانوں نے اس ستم ظریفی و جاں کنی کے عالم میں انگریزوں کے خلاف سینہ سپر ہو کر صدائے جہاد بلند کیا۔

تلواروں کے سایوں میں، بندوقوں کے نشانوں میں، توپوں کے دہانوں میں اور بموں کی جھنکاروں میں رہ کر آزادی کا پرچم اُٹھائے رکھا اور آخر کار اس ملک کی حریت کو بحال کیا۔

مٹی کی محبت میں ہم آشفتہ سروں نے
وہ قرض چکائے ہیں جو واجب بھی نہیں تھے

یہ کوئی فرضی کہانی نہیں، یہ تاریخ کا وہ درخشندہ باب ہے جو آج ہماری درسی کتابوں سے مٹایا جا چکا ہے۔

افسوس ہے کہ مسلم نوجوانوں کو انگریزوں کے خلاف جدوجہد کرنے والوں کے نام تک نہیں معلوم، انہیں گاندھی، نہرو اور پٹیل کی فہرست تو یاد ہے، مگر ان کے وہ اسلاف جنہوں نے اس زمین کو اپنا خون دیا، وہ ان کے ذہن و دل سے نکال دیے گئے ہیں۔ اسکولوں کا نصاب، میڈیا کی زبان، قومی تقریبات کا ایجنڈا سب نے دانستہ طور پر مسلمانوں کی قربانیوں کو نظر انداز کیا ہے، حتیٰ کہ آج کے مسلم اساتذہ بھی خود اپنی تاریخ سے بے بہرہ ہو چکے ہیں۔ یہ محض تاریخی خیانت نہیں، بلکہ قوم کے مستقبل سے فکری غداری ہے۔ اگر نئی نسل کو ان کے ماضی سے کاٹ دیا جائے تو وہ یا تو دوسروں کی غلامی قبول کرتی ہے یا خود اپنے وجود پر شرمندہ ہو جاتی ہے۔

جب پڑا وقت گلستاں پہ تو خوں ہم نے دیا
جب بہار آئی تو کہتے ہیں تیرا کام نہیں

ہمارا یہ مطالبہ نہیں کہ دوسروں کی قربانیوں کو جھٹلایا جائے، بلکہ انصاف یہ ہے کہ حق دار کو اس کا حق دیا جائے۔ گاندھی جی نے خود کہا تھا کہ اگر شیخ الہند اور شیخ الاسلام نہ ہوتے تو ہندوستان کبھی آزاد نہ ہوتا، تو پھر کیوں ان کی جدوجہد ہماری اجتماعی یادداشت سے محو کی جارہی ہے؟ خدارا! ہم سے ہماری تاریخ نہ چھینی جائے، ہم سے ہمارا افتخار نہ چھینا جائے۔

ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ مسلمانوں نے اس ملک کے لیے اتنا خون بہایا ہے کہ غیر مسلموں نے اتنا پسینہ بھی نہیں بہایا۔ ہمارے آبا نے سولی پر چڑھ کر آزادی کا نعرہ لگایا تھا، تو ہم خاموش کیسے رہ سکتے ہیں؟ ہم تو وہ قوم ہیں جو آتش سوزاں میں بھی حق بات کہنے سے نہیں جھجکتے۔ ہمیں زندہ قوموں کی طرح اپنی تاریخ کو زندہ رکھنا ہے، اپنی نسل کو سکھانا ہے کہ آزادی کا سورج خون کے دریاؤں سے ہو کر طلوع ہوا ہے ۔

ہم آتش سوزاں میں بھی حق بات کریں گے
کندن کی طرح دہر میں تابندہ رہیں گے
ہمیں تاریخ بتاتی ہے ہر دور ستم میں
ہم زندہ تھے، ہم زندہ ہیں، ہم زندہ رہیں گے

افاداتِ اکابر

اشرف المجالس

ترتیب وپیش کش: مفتی محمد احمد علی صاحب قاسمی*

مخدومنا ومحبوبنا حضرت مولانا محمد عبد القوی صاحب مدظلہ العالی ہر جمعہ بعد نمازِ عصر ہفتہ واری اصلاحی مجلس میں حکیم الامت مجددُ الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے "منتخب ملفوظات" (مرتبہ حضرت مولانا یحییٰ نعمانی زید مجدہٗ) کی تعلیم فرماتے ہیں، اُن ملفوظات کی توضیح وتشریح کو قارئینِ اشرف الجرائد وعامۂ مسلمین کے لئے ترتیب دیا گیا ہے۔ ازمرتب

(۳۹) وساوس کا حل عدمِ التفات ہے:

ارشاد فرمایا: یہ بات ذہن میں رہے کہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ جو چیز آپ کے اختیار میں نہیں ہے تو اس کا اللہ کے پاس کوئی مؤاخذہ بھی نہیں ہے، اور جو چیز آپ کے اختیار میں ہے، اگر وہ اچھی ہے اور آپ نے نہیں کی اور اگر وہ چیز بری ہے اور آپ نے کی تو اللہ اس کا مؤاخذہ فرمائے گا، اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر یہ بڑا فضل فرمایا ہے کہ غیر اختیاری اُمور میں مؤاخذہ نہیں رکھا، اب اگر وساوس آتے ہیں، جب اس پر کوئی مواخذہ اور پکڑ نہیں تو پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ پریشان نہ ہوں حل نکالیں، حل اور علاج کیا ہے؟ تمام مشائخ اجماعی طور پر یہی کہتے ہیں کہ وساوس کا حل عدمِ التفات ہے، یعنی نہ آنے کی فکر بھی مت کرو، فکر کرو گے تو یہ بھی ان کی طرف دھیان دینا ہے، جب اُن کی طرف دھیان دو گے تو وہ اور مضبوط ہوں گے، جب اللہ خود ہی نہیں پوچھ رہا ہے تو آپ کیوں پریشان ہو رہے ہیں؟ ہاں وہ عمل جس پر ہماری پکڑ ہوسکتی ہے اس سے ڈرنے کی ضرورت ہے، لہٰذا یہ حسرت ہی دل سے نکال دو کہ وساوس نہیں آنا چاہیے، آنے دو، آپ کو کیا کرنا ہے؟ بس یہ ذہن میں رکھو کہ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے، میرا تعلق میرے یقین، ایمان اور عقیدہ سے ہے، کسی کافر ومشرک اور کسی فاسق وفاجر کے خیالات سے میرا کوئی تعلق نہیں، اللہ تعالیٰ نے مجھے نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے، نماز پڑھ رہا ہوں، تلاوت کرنے کا حکم ہے، تلاوت کر رہا ہوں، وغیرہ، بسا اوقات ہم سے بہت سے ایسے گناہ ہو رہے ہیں، غیبت سنی جا رہی ہے،

بدنگاہی ہو رہی ہے، بے پردگی ہو رہی ہے، کسبِ حلال میں کوتاہی ہو رہی ہے، صلہ رحمی میں کوتاہی ہو رہی ہے، غصے کا مرض ہے، حسد کی بیماری ہے، یہ سب اختیاری چیزیں ہیں، ان سب جرموں پر اللہ تعالیٰ حساب اور مواخذہ کرنے والے ہیں، اس کی فکر سے شیطان آپ کو غافل کر دیا کچھ وسوسوں میں اُلجھا کے رکھا ہوا ہے، کرنے کے کام کی طرف تو توجہ نہیں ہونے دیتا، بے کار باتوں میں لگائے رکھتا ہے یہ سب اس کی ہوشیاری مکاری ہے، بس ان وساوس کی طرف دھیان نہ دینا ہی حل ہے، اور کوئی حل نہیں ہے۔

(۴۰) معاملاتِ مالیہ میں حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کی صفائی اور احتیاط:

ارشاد فرمایا: حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی احتیاط چوں کہ بہت مثالی تھی، پوری زندگی آپ معاملات اور حسنِ معاشرت کی تعلیم دیتے رہے، اور اسی پر بڑی توجہ دی، فرمایا کہ معاملات و معاشرت کی اہمیت بعض پہلوؤں سے عبادات سے بھی زیادہ ہے، یہ بالکل صحیح ہے، لوگوں کے حقوق کے معاملہ میں آدمی اللہ سے ڈرتا رہے، ایسی باتوں کو آدمی جب پڑھتا ہے، ان کو جانتا ہے، تو خود آدمی کے اندر بھی اس کا شعور پیدا ہوتا ہے۔ چناں چہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے ملفوظات کو پڑھ پڑھ کر اور ان کے اس قسم کے ملفوظ سے متاثر ہو کر ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایسا ہی ذہن بنالیا تھا، جب ملک تقسیم ہوا تو ان کے دو بھائی پاکستان چلے گئے، یہاں ایک بہن چار بھائی رہ گئے، والد کی زمین کا بٹوارہ ہونا تھا، اس زمانے میں بہنوں کو تو کوئی حصہ دیا نہیں جاتا تھا، یہی کہا جاتا تھا کہ جو کچھ بھی ان کا حق ہے وہ ان کو ہم نے پال پوس کے اور شادی بیاہ کر کے دے دیا اور ملک میں یہ قانون بن گیا تھا کہ جو پاکستان چلا گیا ہے اس کی یہاں پر کوئی جائیداد پراپرٹی نہیں ہوگی، تو بھائیوں میں یہ طے پایا کہ اب یہ موروثی زمین چاروں کے بیچ میں تقسیم کر لی جائے گی، چار حصے کر لیں گے، چاروں لے لیں گے، اس طرح ہمارے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے حصہ میں ایک چوتھائی زمین آئی تھی، والد صاحب رحمہ اللہ نے اس زمین کو کاغذ پر چھ بھائی اور ایک بہن میں تقسیم کرنے کے بعد اس حساب سے اُنہیں جتنی ملنی چاہیے تھی اتنی تو خود لے لی، اور دو بھائیوں اور ایک بہن کا جو زائد حصہ آگیا تھا، اس کے بارے میں ان کو اطلاع کر دی کہ وہ لوگ جب چاہیں لے لیں، بہن بیچاری غریب تھیں، انہوں نے اپنا حصہ بہ خوشی لے لیا، جو بھائی پاکستان میں تھے، وہ لوگ تو کافی عرصے تک ہندوستان واپس نہیں آسکے، لیکن وہاں سے داروگیر اور خبر لیا کرتے تھے کہ ہماری جگہ محفوظ ہے کہ نہیں، اور یہ بھی پوچھتے رہتے تھے کہ دوسرے بھائیوں نے ایسا کیوں نہیں کیا؟ کہ وہ بھی ہمارا حصہ محفوظ رکھتے، 16 سال کے بعد شاید پہلی دفعہ اُن لوگوں کا انڈیا آنا ہوا، حالات ایسے بنے کہ اپنے بھائیوں سے

رشتہ داروں سے ملنے آسکے، اُس وقت ہمارے والد صاحب نے ان سے کہا، اب آپ لوگ یہاں آئے ہوئے ہیں، اچھا موقع ہے کہ وہ زمین بیچ دی جائے، جو رقم بنے وہ آپ اپنے ساتھ لے جائیں، ایک بھائی وہاں جا کے بھی غریب ہی تھے سنبھل نہیں سکے تھے، دوسرے ماشاءاللہ خوش حال ہو گئے تھے، انہوں نے کہا کہ ہمیں اللہ نے اب خوب دے دیا ہے تم کثیر العال ہو، بھائی کے حصے کی رقم میں ان کو دے دوں گا۔ یہ زمین پوری تم ہی لے لو ہماری طرف سے ہدیہ ہے، تو دیکھو جتنی سب کو ملی والد صاحبؒ کو بھی ملی: لیکن حلال اور دل کی خوشی سے ملی؛ اللہ نے ایسے اسباب بنائے کہ وہ زمین بھی مل گئی اور کسی کی میراث مارنے کا گناہ بھی نہیں ہوا، یہ ہوتی ہے معاملات کی صفائی کی برکت۔

(۴۱) رمضان شریف میں عبادتوں میں اضافہ کرنا چاہیے

ارشاد فرمایا: بہت فکر اور توجہ کے ساتھ رمضان شریف کو گزارنے کا اہتمام کرنا چاہیے، اعمالِ صالحہ نافلہ میں ممکن حد تک اضافہ کرنا چاہیے، خاص مواقع کا حق یہی ہوتا ہے کہ اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا جائے، اس لیے اس کی طرف توجہ دینی چاہیے، عام طور پر علماء کو بہت سے ملی اور دینی کاموں میں مصروفیت ہوتی ہے، علماء کرام کو علمی مصروفیت ہوتی ہے، یہ مصروفیات خود عبادت ہیں، اس لیے ان کی عبادت میں کوئی کمی نہیں ہوتی، عبادت کی نوعیتیں الگ الگ ہیں، عوام الناس علماء والی عبادت تو نہیں کر سکتے، وہ اپنی عبادت پر ہی نظر رکھیں، اور اس میں اضافہ کریں، حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ بعض طالبین کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ صرف کثرتِ عبادت کی ترازو میں بڑوں کو تولتے رہتے ہیں کہ کثرتِ عبادت ہے یا نہیں؟ حالانکہ عبادت اللہ تعالیٰ کی بندگی میں مشغول رہنے کا نام ہے، اور اس کی قسمیں اور نوعیتیں الگ الگ ہیں، اس سب کے باوجود بھی ــــ باوجود کہ علم اور تبلیغ کے کاموں میں ہمارے سلف صالحین کو رسوخ حاصل تھا، ــــ وہ رمضان میں خاص عبادتوں کا اہتمام کرتے تھے، اور بعض علماء تو اپنا علمی کام رمضان میں روک دیتے تھے، اور صرف نفل عبادات کا اہتمام کرتے تھے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فجر کی نماز سے لے کر افطار تک ایک ختم کر لیتے تھے، رمضان میں حدیث پڑھانے کے بہ جائے قرآن پڑھتے تھے، پھر رات میں تراویح کے بعد سے لے کر سحر تک دس پارے پڑھتے تھے، ظاہر ہے پوری رات ایسی میں نکل جاتی تھی، عصر کی نماز، مغرب کی نماز، عشاء کی نماز پھر عشاء کی نماز میں خود پارہ سناتے تھے تو اس طرح 41 ختم قرآن کریم کے کر لیتے تھے، سارا رمضان قرآن پڑھنے میں نکل جاتا تھا، بہ ہر حال عوام اور خواص سب ہی کو رمضان شریف کے اوقات اہتمام سے گذارنے چاہئیں، فرائض کے علاوہ اعمالِ صالحہ نافلہ کا بھی اہتمام کرنا چاہیئے۔

افاداتِ اکابر

ارشاد السالکین

''خانقاہِ سعیدیہ'' میں ہر شمسی مہینے کے دوسرے اتوار کو صبح ۹ر بجے تا شب ۹ر بجے اصلاحی مجلس منعقد ہوتی ہے، اس میں جنوبی ہند کی تمام ہی ریاستوں سے تقریباً تین سو سالکین شرکت کرتے ہیں، صبح ۱۰ تا ۱۲ر بجے کی نشست میں شرکاء کے پوچھے گئے سوالات کے جواب مرشدی حضرت اقدس مولانا محمد عبد القوی صاحب مدظلہٗ العالی خود دیتے ہیں، جو بہت ہی نافع ہوتے ہیں، علماء وعوام سب ہی اس کے قائل ہیں، اس لئے مولانا مفتی محمد احمد علی صاحب قاسمی زید فضلہٗ استاذ ادارہ ہذا و مجازِ حضرت والا نے اِن کو جمع کر کے قارئین کے فائدے کے لئے شائع کیا ہے۔ از مرتب

بُرا چاہنے والے رشتہ داروں کے ساتھ سلوک

سوال (۵۵): رشتہ داروں سے تعلق رکھنے کا صحیح طریقہ کیا ہے، جو رشتہ دار ہمارا برا چاہتے ہیں ان کے ساتھ کیسا معاملہ کیا جائے؟ رہنمائی فرمائیں۔

جواب: جو رشتہ دار آپ کا بُرا چاہتے ہیں ان کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کر کے بتلاؤ، کیوں کہ بھلائی کے بدلے بھلائی کرنا کوئی کمال نہیں ہے، بس آپ اپنا یہ اصول بنالو کہ کوئی آپ کے ساتھ بھلا کرے یا بُرا کرے آپ کو اس کے ساتھ بھلا ہی کرنا ہے، یاد رکھو! ایسے ہی موقعہ پر ایمان کا جوہر دکھائی دیتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بھی یہی حکم ملا تھا احسن الی من اساء الیک۔ البتہ حسنِ سلوک کا یہ مطلب نہیں کہ مظلوم بنے رہیں، بل کہ ان کے ضرر اور شر سے بچتے ہوئے ان کے حقِ قرابت ادا کردیا کریں، دل کو کدورت اور کینے سے بچائے رکھیں۔

وطن کی روزی بھی ایک نعمت ہے

سوال (۵۶): دین کی خدمت کیا اپنے مقام پر کرنا ہی ضروری ہے، یا کچھ زیادہ رقم کمانے کی غرض سے دوسرے مقام پر بھی جاسکتے ہیں؟ رہنمائی فرمائیں۔

جواب: اگر اپنی ضروریاتِ زندگی وطن میں پوری ہوجاتی ہیں تو وطن ہی میں کام کرنا چاہیے؛ کیونکہ وطن کی روزی کو بھی ایک نعمت شمار کیا گیا ہے، لیکن اگر معاشی مسائل کا سامنا ہو اور دوسری جگہ بہتر ذرائع ہوں تو پھر وطن

چھوڑ بھی سکتے ہیں، اپنے اپنے حالات کے اعتبار سے فیصلہ ہوتا ہے۔

دینی ذمہ داریوں کی وجہ سے نماز میں سستی اور اُس کا علاج

سوال(۵۷): بندہ ایک مدرسہ کا مدرس ہے، نگرانی کی بھی ذمہ داری ہے، تمام ذمہ داریاں ادا کرنے کے بعد نماز پڑھنے میں سستی ہوتی ہے، فرض قیام کی حالت میں ادا کر لیتا ہوں، مگر سنت و وتر بیٹھ کر پڑھتا ہوں، چھوٹی چھوٹی سورتوں سے نماز مکمل کرتا ہوں، بچوں کو تو زیادہ سے زیادہ پڑھنے کے لیے کہتا ہوں، مگر خود سے عمل نہیں ہوا جاتا ہے، میری رہنمائی فرمائیں۔

جواب: نگرانی وغیرہ ذمہ داریوں کی وجہ سے بعد میں سنتیں ادا کرتے ہوں تو ٹھیک بات ہے؛ مگر بعد میں بھی پڑھنا ہی ہے، چھوڑنا نہ ہو، نیز یہ غور کرو کہ نگرانی بھی ہم کیوں کر رہے ہیں؟ اسی لیے نا تاکہ بچے نماز جی لگا کر ادب سے پڑھنے والے بن جائیں، تو جو چیز ان کے لیے ضروری ہے وہ ہمارے لیے بھی ضروری ہے، اس لیے نماز کو اطمینان سے پڑھیں، اور ہمیشہ اس بات کا دھیان رکھیے کہ اپ جتنی بھی نگرانی کر کے ان کو سکھاتے رہیں آپ کر کے نہیں دکھائیں گے تو ان پر کوئی خاص اثر نہیں پڑے گا، جب ہمارے بچے اہتمامِ نماز کو دیکھیں گے؛ تب جا کر اس کا اُن پر اثر ہوگا، باقی جہاں تک مسئلے کی بات ہے تو صحت مند آدمی نفل نماز بیٹھ کر پڑھے تو آدھا ثواب ملتا ہے، وہ آدھا ثواب بھی کیوں غارت کریں؛ کھڑے ہو کر پڑھنا چاہیے، ہاں اگر ضعیف ہے یا کوئی عذر ہے تب تو کوئی حرج نہیں ہے ایسے میں بیٹھ کر پڑھنے سے بھی پورا ثواب ملے گا۔

غصہ کا مرض اور اس کا علاج

سوال(۵۸): کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مجھے بات بات پر غصہ آجاتا ہے صفت حلم کی بہت کمی ہے، اور گھر میں بیوی بچوں سے کوئی بات ہو جاتی ہے تو برداشت سے باہر ہو جاتا ہے، دوسروں کو نصیحت بھی کرتا ہوں؛ مگر میں اپنے اندر صفتِ حلم نہیں پا رہا ہوں، ایک بہت بڑی بیماری میں مبتلا ہوں، علاج تجویز فرمائیں۔

جواب: اس بیماری کا حل یہی ہے کہ جب غصہ آئے تو تقاضۂ غضب پر عمل نہ کرے، اگر آپ یہ کہتے ہو کہ یہ مجھ سے نہیں ہوسکتا تو پھر کیا ہوسکتا ہے؟ کچھ تو کرنا پڑے گا، ڈاکٹر جب کوئی دوا تجویز کرتا ہے تو کیا آپ یہ کہتے ہو کہ یہ مجھ سے نہیں ہوسکتا، یہ مجھ سے نہیں ہوسکتا، اگر وہاں بھی ایسا کہو گے تو پھر علاج کیسے ہوگا؟ اس لیے خود ہی کو ہمت کر کے کچھ کرنا پڑے گا، یہ بہت ضروری بات ہے، جب غصہ آئے تو تسکینِ غضب کا کوئی کام نہ کرو، وہاں سے ہٹ جاؤ، باہر چلے جاؤ، پانی پی لو، کھڑے ہو تو بیٹھ جاؤ، **اعوذ باللہ من الشیطانِ الرجیم** یا **لا حول**

ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھ لیا کرو، یہ سب نبی پاک ﷺ کی بتائی ہوئی تدابیر ہیں، ان پر عمل کرو مگر تقاضۂ غضب پر عمل مت کرو۔ ع

چند روزہ جہد کن باقی بخند

کچھ تو تکلیف اُٹھانی پڑے گی، اصل میں ہوتا یہ ہے کہ ہم نفس پر کوئی بوجھ ڈالنا نہیں چاہتے، جب بوجھ نہیں ڈالیں گے تو وہ کیسے درست ہوگا؟

حفاظتِ دین کے لئے کیا کیا کام کرنا چاہیے

سوال (۵۹): حضرت والا نے ایک مجلس میں ''حفاظت دین'' کا کام کرنے کی ترغیب دی ہے، حفاظت دین کا کام کیا ہے؟ اور اس کا طریقۂ کار کیا ہے؟ رہنمائی فرمائیں۔

جواب: حفاظت دین کا کام عالم کو اپنے حساب سے اور عامی کو اپنے حساب سے کرنا چاہیے، اصل بات یہ ہے کہ سب سے پہلے اپنی زندگی میں دین کو داخل کریں، پھر دوست واحباب اور اہل تعلق کو دین کی ترغیب دیں، جو بھلی باتیں ہیں ان کو بتلایا کریں، اور اُنھیں گناہوں سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کریں، اور علماء کی ذمہ داریاں تو بہت زیادہ ہیں؛ جیسے ان کو مساجد کی آبادی، مکاتب دینیہ کے قیام، عقائد کی سلامتی، معاشرے کو درست رکھنے اور امت میں پھیلی ہوئی گمراہیوں کو دور کرنے کی فکریں کرنا ہے، قرآن کی اور علوم نبویہ کی حفاظت کرنا ہے، وغیرہ وغیرہ یہ سب کام اپنی اپنی بساط کے مطابق کرنا چاہیے۔

عبادت میں دل نہ لگنا

سوال (۶۰): عبادت میں جی نہیں لگتا ہے دو رکعت نماز پڑھ لیتا ہوں تو دل اکتا جاتا ہے، رہنمائی فرمائیں۔

جواب: جو فرائض اور واجبات ہیں ان میں تو کوئی رخصت اور گنجائش ہی نہیں ہے، دل لگتا ہو یا نہ لگتا ہو ہر دو حال میں بہر حال ادا کرنا ہی ہے، اس لیے ان کو پوری ہمت کے ساتھ پورا کریں، باقی نوافل میں اگر دو رکعت پڑھنا سوجھتا ہے تو وہی پڑھ لو، 40 دن اس کی مشق ہوگئی تو دو اور پڑھ لو ایسے ہی آہستہ آہستہ کر کے دو دو رکعت بڑھا لو، اور یہ بات بھی دھیان میں رکھو کہ اگر دل نہ لگتا ہو پھر بھی عبادت کرے تو ایسے شخص کا اجر بڑھ جاتا ہے۔ اس لئے جی لگنے نہ لگنے کا انتظار نہ کریں آخر روزی روٹی کے لئے بھی تو تکلیف اُٹھائی جاتی ہے، وہاں کون دل لگنے کا انتظار کر رہا ہے؟

فقہ وفتاویٰ

آپ کے شرعی مسائل

از: مفتی محمد ندیم الدین قاسمی*

قرآن میں علامت کے طور پر کوئی چیز رکھنا

سوال: کیا قرآن میں علامت کے طور پر کوئی چیز رکھنا جائز ہے؟

جواب: قرآن کریم، اللہ کا مقدس کلام ہے جو از حد قابلِ تعظیم وتکریم ہے، اس کے اندر بلاضرورت کسی بھی چیز کا رکھنا مکروہ ہے۔ ہاں! اگر بطورِ علامت کے ضرورۃً کوئی چیز رکھی جائے تو کوئی حرج نہیں۔

(محقق ومدلل جدید مسائل، ۱/ ۱۰۴)

واشنگ مشین میں پاک وناپاک کپڑے دھونے کا طریقہ

سوال: واشنگ مشین میں پاک وناپاک کپڑے دھونے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب: واشنگ مشین (Washing Machine) میں دھونے والے کپڑے پاک اور ناپاک دونوں طرح کے ہوتے ہیں، لہٰذا ان کے دھونے کے دو طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ جن کپڑوں کے بارے میں یقین ہے کہ یہ پاک ہیں، انہیں پہلے دھولیا جائے، اور ان کے بعد ناپاک اور مشکوک کپڑوں کو دھولیا جائے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ سب ایک ساتھ دھولئے جائیں، اور کھنگالتے وقت تمام کپڑوں کو تین بار الگ الگ پانی میں ڈال کر کھنگال لیے جائیں۔ (محقق ومدلل جدید مسائل، ۱/ ۱۲۲)

دورانِ نماز گھڑی پر نظر کرنا

سوال: دورانِ نماز گھڑی پر نظر کرنا کیسا ہے؟

جواب: دورانِ نماز گھڑی دیکھنے اور سمجھنے سے نماز تو فاسد نہیں ہوگی مگر یہ عمل مکروہ ہے، کیونکہ یہ ایسے عمل میں مشغول ہونا ہے جو اعمالِ نماز میں داخل نہیں، لیکن اگر بلاقصد گھڑی پر نظر پڑ جائے اور ٹائم سمجھ میں آجائے تو مکروہ بھی نہیں ہے۔ (محقق ومدلل جدید مسائل، ۱/ ۱۲۹)

---

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

’’تمہیں خدا کی قسم‘‘ کہنے سے قسم کا حکم

سوال: کیا کسی کے محض یہ کہہ دینے سے کہ ’’تمہیں خدا کی قسم ہے‘‘، قسم لازم ہو جائے گی؟

جواب:......صرف دوسروں کے کہنے سے کہ: ’’تمہیں اللہ کی قسم ہے‘‘، قسم لازم نہیں ہوتی، جب تک اس کے کہنے پر خود تم قسم نہ کھاؤ۔ہاں اگر آپ نے خود قسم کھائی ہوتی تو آپ پر قسم کا وفا کرنا لازم ہوتا۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل، ۵/ ۵۴۹)

ماہ صفر کو منحوس سمجھنا

سوال: کیا صفر کا مہینہ، خصوصی طور پر ابتدائی تیرہ دن جس کو عرف میں ’’تیرہ تیزی‘‘ کہا جاتا ہے، یہ منحوس ہے؟

جواب: صفر کے مہینہ کو منحوس سمجھنا جاہلیت کے رسم ہے، مسلمان تو اسے ’’صفر الخیر‘‘ اور ’’صفر المظفر‘‘ سمجھتے ہیں یعنی خیر اور کامیابی کا مہینہ۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ۱/ ۴۳۹)

نماز میں چٹائی والی ٹوپی پہننا

سوال: عام طور پر مسجدوں میں جو ٹوپیاں ہوتی ہیں، جسے لوگ صرف نماز کے وقت اپنے سر پر رکھ لیتے ہیں کیا اس طرح کی ٹوپیاں پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے؟

جواب: ایسا لباس پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے، جس کو آدمی عام مجمع میں نہ پہن سکے، اور چٹائی کی ٹوپیاں تو بعض اوقات آدمی کا حلیہ بگاڑ دیتی ہے؛ اس لئے اس طرح کی ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

(مستفاد از: آپ کے مسائل اور ان کا حل، ۱/ ۲۱۴)

نیت کے لئے نماز کی رکعتیں گننا ضروری ہے؟

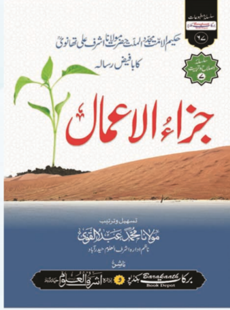
سوال: نماز سے پہلے نماز کی رکعتوں کی تعداد اور نماز کی نیت کے الفاظ ادا کرنا ضروری ہے یا دل میں نیت کر لینا کافی ہے؟

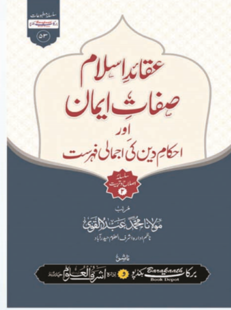
جواب: نیت تو دل ہی سے ہوتی ہے، اگر دل سے یہ نیت کر لے کہ فلاں نماز پڑھتا ہوں، تو کافی ہے، رکعتوں کی تعداد گننے کی ضرورت نہیں ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ۱/ ۲۲۸)

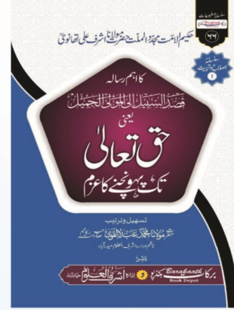
ASHRAFUL JARAID MONTHLY Rs20/-

RNI No: APURD/2007/24089 Postal. No: HSE/884/23-25

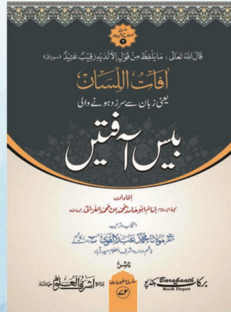
Date of Publication 3rd Augg-25, Date of Posting 5th Aug-25

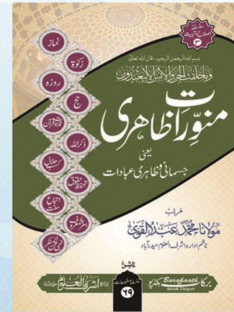


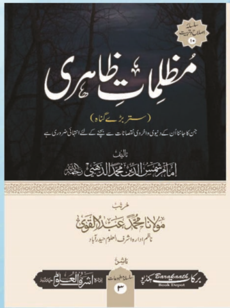


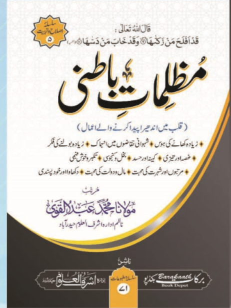


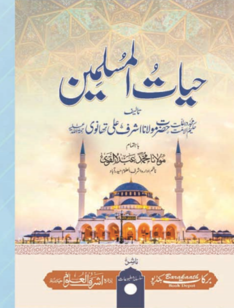












Printer, Publisher & Owner: Mohd Abdul Qavi, # 17-1-391/2, Khaja Bagh, Sayeedabad Colony, Hyderabad- 500059

Published from: # 17-1-391/2, Khaja Bagh, Sayeedabad Colony, Hyderabad- 500059

Editor : Mohammed Abdul Qavi